تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

مجلس صحافت و نشریات ۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

شمارہ ۱۱	۱۴۰۸ھ	۱۰ اپریل ۱۹۸۶ء مطابق ۲۲ شعبان	جلد نمبر ۲۵

اداریہ

شمس الحق ندوی

طبع آزاد پہ قیدِ رمضان بھاری ہے

گنتی کے چند دن گذریں گے کہ ماہ رمضان کی کیف آور فضائیں شروع ہو جائیں گی رمضان آرہا ہے آتا رہا ہے اور آتا رہے گا، اس کی رحمتیں اور برکتیں، مغفرت و جہنم سے خلاصی کی بشارتیں سنائی جاتی رہی ہیں، سنائی جائیں گی، ذکر و تلاوت کے زمزموں سے مسجدیں گونجتی رہی ہیں پھر گونجیں گی، فضائل رمضان بیان ہوتے رہے ہیں اور پھر ہوں گے، خدا کے محتاج و ضرورت مند بندوں کی حاجت روائی یوں بھی بڑی فضیلت رکھتی ہے مگر ماہ مبارک میں کسی بھوکے کو کھلانا اور ننگے کو پہنانا کچھ اور ہی فضیلت رکھتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ ہر مسلمان خواہ کتنا ہی بے عمل ہو ان حقائق پر یقین رکھتا ہے لیکن کسی بھی چیز کے بارے میں صرف یقین رکھنا اس کے منافع سے بہرہ ور ہونے کے لئے کافی نہیں۔ کسے یقین نہیں کہ پانی سے پیاس بجھتی ہے، غذا سے بھوک ختم ہوتی ہے، لیکن کیا کسی پیاسے کی پیاس صرف اس یقین سے کہ پانی پیاس بجھاتا ہے، پیاس بجھ جائے گی محض یہ یقین کہ کھانے سے بھوک ختم ہوجاتی ہے کسی بھوکے کی بھوک ختم ہو جائے گی؟ اگر یہ حقیقت ہے تو یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم رمضان المبارک کی چاہے جتنی خوبیاں اور فضائل و برکات بیان کرتے اور سنتے رہیں جب تک اس پر عمل کی فکر نہ کریں ہمیں تو کوئی فائدہ پہونچنے کا نہ ہی ہماری زندگی میں کوئی تبدیلی آئے گی، اور نہ ہی ہم جس ذلت و خواری سے دو چار ہیں وہ دور ہوگی۔ بیشک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کو مشک سے زیادہ پسند ہے لیکن کیا اس روزہ دار کے منہ کی بو بھی پسند آئے گی جس کے منہ سے اس کے بھائی کے خون کی بو آرہی ہو۔

روزہ سے یقیناً پچھلے سارے گناہ معاف ہوتے ہیں، لیکن اگر کوئی روزہ دار سودی کاروبار کرتا ہے زکوٰۃ کی ادائیگی سے منہ موڑتا ہے، اور دوسروں کے حقوق بھی مارتا ہے اپنے کاروبار میں شریک ساتھی کے ساتھ معاملہ درست نہیں رکھتا تو کیا اس کے روزہ میں بھی اتنی طاقت ہوگی کہ اس کے گناہوں کو معاف کرا سکے، رمضان یقیناً عبادات کے موسم بہار کا زمانہ ہے لیکن جو نادان موسم بہار میں صحرا کی خاک چھانتا پھرے کیا وہ موسم بہار کا لطف اٹھا سکے گا!؟ اگر یہ نہیں تو پھر ایک مسلمان جو ان مبارک دنوں میں سنیما ہالوں کا چکر کاٹے یا ٹیلیویژن پر پروگراموں کو دیکھنے میں وقت گذارے یا پھر افطار و تراویح کے درمیانی وقت ان لغویات میں مبتلا رہے وہ کیونکر ماہ مبارک کے فضائل و برکات سے بہرہ ور ہو سکے گا ہمارا روزہ بھی وہی ہے نمازیں بھی وہی ہیں لیکن ہماری زندگی میں کوئی انقلاب نہیں آتا باہمی کشاکش، اختلاف و انتشار، بے اعتمادی و بدگمانی، لاف زنی و لن ترانی میں کوئی فرق نہیں آتا اس کی وجہ کیا ہے!؟ یہی کہ ہم نے صرف صورت کو اپنایا ہے حقیقت سے دور بہت دور ہیں، آپ شیر کی تصویر یا مجسمہ کو دیکھتے ہیں تو دل پر کیا اثر پڑتا ہے۔ لیکن اگر سچ مچ کا شیر سامنے آجائے تو کیا حالت ہوگی!؟ اگر یہ بات آپ کی سمجھ میں آتی ہے تو پھر یقین کیجئے کہ یہی فرق ہماری آپ کی نماز و روزہ اور حقیقی نماز و روزہ میں ہے، وہ نماز جس کے ادا کرتے وقت صحابۂ کرام کے جسم سے تیر نکالے جاتے تھے اور احساس نہ ہوتا تھا وہ روزہ جس میں صحابۂ کرام میدان کارزار میں

نگران اعلیٰ
مولانا ابو العرفان ندوی

مجلس ادارت

شمس الحق ندوی
محمود الازہر ندوی

خط و کتابت کا پتہ
منیجر "تعمیر حیات" پوسٹ بکس ۹۳
ندوۃ العلماء، لکھنؤ
انڈیا

زر تعاون

سالانہ :	پینتیس ۳۵ روپے
ششماہی :	پچیس ۲۵ روپے
فی پرچہ :	ایک روپیہ ۵۰ پیسے

بیرون ملک

بحری ڈاک، جلد ڈاک : ۱۰ ڈالر

فضائی ڈاک

ایشیائی ممالک :	۲۰ ڈالر
افریقی ممالک :	۲۰ ڈالر
یورپ و امریکہ :	۲۰ ڈالر

نوٹ

ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت و نشریات لکھنؤ کے نام سے بنائیں اور دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں۔

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا آپ اگر چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا یہ خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان آپ کی خدمت میں پہنچتا رہے تو سالانہ چندہ مبلغ پینتیس ۳۵ روپے ارسال فرمائیے۔ یہ آپ کی ذمہ داری ہے، چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا خریداری نمبر لکھنا نہ بھولیں۔

فضائل و مسائل رمضان المبارک

ماہ رمضان کی فضیلت و عظمت:

رمضان شریف اسلام میں ایک نہایت ہی مقدس اور برگزیدہ مہینہ ہے اس کی سب سے بڑی اور بنیادی عبادت روزہ ہے جو نفس کو مانجھنے اور صاف کرنے میں خاص اثر رکھتا ہے، اس مبارک مہینے میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ہو جاتا ہے۔

رمضان شریف کا خاص شغل تلاوت قرآن حکیم اور اپنے اوقات کو یاد خدا وندی سے بھرپور رکھنا ہے، روزہ میں جھوٹ، غیبت، چغل خوری وغیرہ معاصی روزہ کو کالعدم اور روزہ دار کو قریب بہ ہلاک کر دیتے ہیں جس سے بچنا ضروری ہے۔

روزہ میں نیت کی ضرورت:

روزہ میں نیت شرط ہے (نیت کے معنی دل کے ارادہ کے ہیں) اگر روزے کا ارادہ نہیں کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ ادا نہیں ہوگا۔

رمضان کے روزے کی نیت نصف دن شرعی سے پہلے تک کر سکتا ہے بشرطیکہ صبح صادق کے ہونے کے بعد کچھ کھایا پیا نہ ہو، اور کوئی کام جو روزہ کا مفسد ہو نہ کیا ہو اس کے بعد اگر نیت کرے گا تو جائز ہوگی۔ زبان سے نیت کرنی فرض نہیں لیکن بہتر اور مستحب یہ ہے کہ سحر کا کھانا کھا کر اس طرح نیت کر لیا کرے۔

بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ

اگر افطار کے وقت ہی اگلے روزے کی نیت کر لی تب بھی جائز ہے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ نیت کے بعد کھانا پینا جائز نہیں یہ خیال بالکل غلط ہے بلکہ صبح صادق ہونے سے پہلے تک کھانا پینا وغیرہ بلاشبہ درست ہے نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

جن چیزوں سے روزہ نہیں جاتا:

بھول کر کھانا پینا روزہ کو نہیں توڑتا بلا اختیار حلق میں گرد و غبار یا مکھی مچھر چلے جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، آٹا پیسنے والے تمباکو کوٹنے والے کے حلق میں گرجو آٹا وغیرہ اڑ کر جاتا ہے اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کان میں پانی چلا جائے یا خود بخود قے آ نے یا خواب میں غسل کی حاجت ہو جائے یا قے آکر خود بخود لوٹ جائے ان سب باتوں سے روزہ نہیں جاتا، اور کچھ خلل نہیں آتا، آنکھ میں دوا ڈالنے سے روزہ نہیں جاتا خوشبو سونگھنے سے کچھ خلل نہیں آتا، تھوڑا تھوک نگلنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اگر قصداً منہ بھر

تھوڑی سی (یعنی منہ بھر سے کم) تو روزہ نہیں جاتا، تھوڑی سی قے آئی اور قصداً لوٹا کر نگل گیا تو اس میں اختلاف ہے، اگر روزہ میں کوئی بھول کر کھا پی رہا ہے اور قوی و تندرست ہے تو اس کو یاد دلا دینا ضروری ہے، اگر ضعیف و ناتواں ہے تو نہ یاد دلانا درست ہے، اگر خود بخود یا مسواک وغیرہ کرنے سے دانتوں سے خون نکلے لیکن حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آتا، اگر خواب میں یا صحبت کرنے سے رات کو غسل کی حاجت ہوئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہ کیا تو روزے میں خلل نہیں آتا، اگر دن کو سوتے ہوئے غسل کی حاجت ہوگئی تو روزہ میں ذرا بھی نقصان نہیں آتا۔ انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا لیکن دماغ اور معدہ میں اگر براہ راست کوئی دوا وغیرہ پہنچائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا۔

جن چیزوں سے قضا واجب ہوتی ہے:

کان یا ناک میں دوا ڈالنا قصداً منہ بھر قے کرنا، منہ بھر قے آئی تھی اس کو نگل جانا یا کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا یہ سب چیزیں روزے کو توڑنے والی ہیں مگر صرف قضا آئے گی کفارہ واجب نہیں۔ کنکر یا لوہے، تانبے وغیرہ کو نگل جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا اور صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں، یا رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھائی تو اس روزے کی قضا واجب ہوگی۔ دن باقی تھا غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا روزہ کھول لیا تو صرف قضا واجب ہوگی کفارہ نہیں، جان بوجھ کر بدون بھولے کے صحبت کرنا، کھانا پینا، روزہ کو توڑتا ہے اور قضا بھی آتی ہے اور کفارہ بھی۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے، اس کی طاقت نہ ہو تو متواتر ۶۰ روزے رکھنا، اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ۶۰ مسکینوں کو دونوں وقت کھانا کھلانا۔

جن چیزوں سے روزہ مکروہ ہوتا ہے اور جن چیزوں سے مکروہ نہیں ہوتا:

بلا ضرورت کسی شے کو چبانا، نمک وغیرہ کا ذائقہ چکھ کر تھوک دینا مکروہ ہے، قصداً منہ میں تھوک اکٹھا کر کے نگل جانا مکروہ ہے تمام دن ناپاک رہنا سخت گناہ ہے اور روزہ مکروہ ہو جاتا ہے فصد کرانا پچھنے لگوانا روزہ میں مکروہ ہے غیبت، چغلی، لڑائی جھگڑا روزے کو مکروہ کر دیتے ہیں اور ثواب بہت کم رہ جاتا ہے، مسواک کرنا، سر یا مونچھوں پر تیل لگانا مکروہ نہیں۔ اگر بیوی کو اپنے خاوند یا کسی

اپنے آقا کے غصہ کا اندیشہ ہو تو کھانے کا نمک چکھ کر تھوک دینا مکروہ نہیں، آنکھ میں دوا ڈالنا مکروہ نہیں۔

روزہ نہ رکھنے کی اجازت:

اگر مرض کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہ ہو تو رمضان میں روزے نہ رکھے تندرست ہو جانے پر قضا کرے، اگر روزہ رکھنے کی وجہ سے مرض کے زیادہ ہو جانے کا خوف ہے تب بھی روزہ چھوڑ دینا جائز ہے پھر قضا رکھے، حاملہ کو اگر بچے یا اپنی جان کو نقصان پہونچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ چھوڑ دینا اور پھر قضا کر لینا جائز ہے، اپنے یا غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہو اور روزہ رکھنے کی وجہ سے ضرر ہو تو قضا کر لینا جائز ہے۔ ہمارے نواح کے ۳۶ کوس یعنی ۴۸ میل (۷۷ کلومیٹر) کا سفر یا اس سے زیادہ سفر شرعی سفر کہلاتا ہے، یعنی ایسے سفر میں مسافر کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے واپس آنے کے بعد قضا کرے، اگر کوئی مسافر دوپہر سے پہلے اپنے وطن پہونچ گیا اور اب تک کچھ کھایا پیا نہیں تو اس پر واجب ہے کہ روزہ پورا کرے، کیونکہ اب سفر کا عذر باقی نہیں رہا اگر کوئی شخص کسی تیز سواری یا ریل میں تین گھنٹے میں ۷۷ کلومیٹر پہونچ جائے گا تو اس کے لئے بھی سفر رخصت یعنی نماز کا قصر اور افطار کی اجازت حاصل ہو جائے گی، بہت بوڑھا ضعیف جس کو روزہ میں نہایت شدید تکلیف ہوتی ہے روزہ نہ رکھے اور ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر بوزن انگریزی، یا ایک کلو ۶۳۳ گرام گندم ایک مسکین کو دے لیکن اگر کبھی طاقت آجائے گی تو قضا ضروری ہوگی۔ عورت کو اپنے نسوانی عذر یعنی حیض کے ایام میں روزہ رکھنا جائز نہیں، اسی طرح پیدائش کے بعد جتنے روز نفاس کا خون آئے جب خون بند ہو جاوے روزہ رکھنا چاہئے اور رمضان شریف کے بعد ان دنوں کے روزوں کی قضا ضروری ہے جن دنوں میں عذر رہا ہے

جن لوگوں کو روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے ان کو بلا تکلف سب کے سامنے کھانا پینا نہیں چاہئے بلکہ تعظیم رمضان المبارک لازم ہے۔

روزہ توڑنا اور اس کی قضا:

فرض روزے کو بلا کسی شدید تکلیف اور قوی عذر کے توڑنا جائز نہیں پس اگر سخت بیمار ہو گیا کہ اگر روزہ نہ توڑے تو جان کا اندیشہ غالب ہے، یا بیماری بڑھ جانے کا احتمال قوی ہے یا ایسی شدید پیاس لگی ہے کہ مر جائے گا تو روزہ توڑ ڈالنا جائز بلکہ واجب ہے، اگر کسی عذر سے روزے قضا ہو گئے ہوں تو جب عذر جاتا رہے تو جلد ادا کر لینا چاہئے، کیونکہ زندگی کا بھروسہ نہیں کیا خبر موت آجائے اور فرض ذمہ رہے مثلاً بیمار کو مرض سے صحت پانے کے بعد اور مسافر کو سفر سے آنے کے بعد جلد ادا کر لینا چاہئے۔ قضا رکھنے میں اختیار ہے کہ متواتر (یعنی لگاتار رکھے) یا جدا جدا متفرق، اگر قضا رکھنے کا وقت پایا لیکن بغیر ادا کئے مر گیا تو مناسب ہے کہ وارث ہر روزہ کے بدلے پونے دو سیر (ایک کلو ۶۳۳ گرام) گندم صدقہ کریں اور اگر مال چھوڑ گیا ہے اور روزہ کی وصیت کر گیا ہے تو ادا کرنا لازم اور واجب ہے۔

سحری کھانے کا بیان اور فضیلت:

روزے کے لئے سحری کھانا مسنون ہے اور باعث ثواب ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "سحر کھایا کرو کہ اس میں برکت ہوتی ہے"۔ یہ ضروری نہیں کہ پیٹ بھر کر کھائے بلکہ ایک دو لقمہ یا چھوارے کا ٹکڑا یا دو چار دانے چبالے تب بھی ثواب پائے گا افضل اور بہتر یہ ہے کہ رات کے آخری حصے میں صبح صادق ہونے سے ذرا پہلے کھائے اور اگر دیر ہو گئی اور گمان غالب یہ ہے کہ صبح ہو گئی اور کچھ کھا لیا تو گناہ ہوگا اور پھر قضا رکھنا لازم ہے، اور اگر کسی مرغ یا مؤذن نے صبح صادق سے پہلے اذان دیدی تو سحر کھانے کی ممانعت نہیں جب تک صبح صادق نہ ہو جائے بلا تکلف کھاؤ پیو۔

افطار:

آفتاب غروب ہو جانے کے بعد افطار میں دیر نہ کرنی چاہئے البتہ جس روز ابر ہو احتیاط کے لئے دیر کرنا بہتر ہے، کھجور یا خرما سے افطار کرنا مسنون اور باعث ثواب ہے اور یہ نہ ہو تو پانی بہتر ہے، آگ کی پکی ہوئی چیز مثلاً روٹی، چاول، شیرینی وغیرہ سے افطار کرنے سے ہرگز کراہت اور نقصان روزہ میں نہیں آتا،

البتہ بہتر یہ ہے کہ کوئی پھل وغیرہ دوسری چیز ہو اور خرما و کھجور وغیرہ سب سے افضل ہے، اگر کسی دوسرے کی دی ہوئی چیز سے روزہ افطار کروگے تو تمہارا ثواب ہرگز کم نہ ہوگا۔ اس کو اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے ثواب عطا فرمائے گا! پھر تم اس کو واپس کر کے کیوں بخیل کہلاتے ہو؟ البتہ یہ مال حرام اور مشتبہ ہو تو ہرگز قبول نہ کرو۔ یہ حدیث و فقہ سے ثابت ہے، اگر روزہ افطار کرنے اور کھانے پینے کی وجہ سے مغرب کی نماز و جماعت میں غروب کے بعد دس بارہ منٹ کی تاخیر کر دی جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اور افطار کرنے سے پہلے یہ دعا پڑھ لینا کافی ہے، "اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ" اور افطار کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى

باقی ص ۸ پر

ہم ذرا سنجیدگی کے ساتھ اپنا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ اسلاف و اکابر کی نماز روزہ اور ہماری نماز روزہ میں کیا فرق ہے — پھر اس فرق کی روشنی میں دیکھیں کہ آج ہم جس ذلت و رسوائی سے دوچار ہیں اس کا اصل سبب کیا ہے، جب ہمارے اندر سے ارکان اربعہ، نماز، روزہ حج اور زکوٰۃ کی اصل روح نکل گئی تو اسکی تاثیر و افادیت بھی جاتی رہی۔ وہی نمازی جو ۲۴ گھنٹہ میں نماز کے اندر ۶۰ بار اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے) کہتا ہے، عمل کی دنیا میں روپیہ سب سے بڑا ہے، اپنی آن سب سے بڑی ہے، وزیر و افسر سب سے بڑا ہے، عہدہ سب سے بڑا ہے، وسائل و ذرائع سب سے بڑے ہیں) کا نعرہ لگاتا ہے۔ پہلے مسلمان اللہ اکبر کہتا تھا تو پہاڑ ہل جاتے تھے دریا کی روانی تھم جاتی تھی اور اب اللہ اکبر کہتا ہے تو ذرہ بھی نہیں ہلتا۔ پہلے مسلمان اللہ اکبر کہتا تھا تو باطل پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا اور اب اللہ اکبر اس سے زیادہ اثر نہیں رکھتا جتنا طوطے کی رٹ خواہ کسی بھی لفظ کی رٹ لگائے

پہلے مسلمان روزہ رکھتا تھا تو آنکھ، کان ہاتھ، پاؤں، زبان، وجوارح سب کا روزہ ہوتا تھا۔ اور اب مسلمان روزہ رکھتا ہے تو صرف بھوک پیاس کا روزہ ہوتا ہے باقی سارے جوارح آزاد ہوتے ہیں۔ زبان غیبت و دل آزاری کے الفاظ سے باز نہیں رہتی کان آزاد ہیں غیبت بھی سنتے ہیں، گانے اور گیت بھی: آنکھیں آزاد ہیں فلمیں بھی دیکھتی ہیں، اور فحش لٹریچر بھی ہاتھ آزاد ہیں، کمزور کو مارتے ستاتے بھی ہیں اس کا حق بھی مارتے ہیں پاؤں آزاد ہیں ہر جگہ آتے جاتے ہیں، لہو و لعب کے اڈوں پر بھی خدا سے غافل کرنے والی مجالس میں بھی، ہمارے اس روزہ سے زندگی میں انقلاب کیسے آئے ہماری اس ماہ بھر کی مشق و تربیت کا مطلوبہ نتیجہ کیونکر حاصل ہو اس شخص کی دعائیں بھی کیا اثر دکھائیں جس کا کھانا پینا حرام ہو، حدیث شریف میں آیا ایک شخص طول طویل سفر کرتا ہے پراگندہ حال و پراگندہ بال ہوتا ہے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر اے خدا اے خدا پکارتا ہے — اس کا کھانا حرام پینا حرام، لباس حرام، حرام ہی سے وہ پلا ہے اس شخص کی دعا کیسے قبول ہو؟!

یہی حال اگر کسی روزہ دار کا ہو تو اس کے روزہ کی، افطار و سحری کی افطار پارٹی کرانے اور روزہ داروں کی دعوت کرنے کی کیا قیمت ہوگی؟!

اسلاف زکوٰۃ ادا کر کے زکوٰۃ لینے والے کے ممنون ہوتے تھے اور ہم ماہ مبارک میں بھی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں تو زکوٰۃ لینے والے پر ہزار احسان رکھ کر یا حقارت آمیز سلوک کے ساتھ ذرا دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ اس طرح سے ہمارے روزہ میں کتنی جان رہ جائے گی

رمضان کے بعد پہلے حاجی جب حج کو جاتا تھا تو شوق و وارفتگی اس کا دامن تھامے ہوئے رہتی تھی۔ عشق و تڑپ کی آگ اس کی ایک ایک غلط خواہش کو جلا کر خاک کر رہی ہوتی تھی تڑپ ہوتی تھی تو یہ کہ وہ جلد پہنچے اور خدا کی چوکھٹ (کعبہ شریف) پر بلک بلک کر روئے اور اپنی خطاؤں کو معاف کرائے اور جب مناسک حج ادا کر کے مسجد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہو کر حجاز مقدس سے واپس ہوتا تھا تو مڑ مڑ کر حرمین شریفین کو بھیگی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا اور دامن تر کرتا تھا

اور اب یہ حال ہے کہ جاتے ہوئے حاجی بار بار اس فہرست کو دیکھتا ہے جو اس نے خریداری کے لئے تیار کر رکھی ہے اور واپسی میں بار بار ان چیزوں کو الٹتا پلٹتا اور دیکھتا ہے جو اس نے خریدا ہے۔ نہ جانے میں حج کی کوئی کیفیت طاری تھی نہ واپسی پر کوئی رنج و غم ہے ہمارا یہ حج ہم کو کیا دے گا؟!

جب ہماری نماز روزہ، حج اور زکوٰۃ کی یہ حالت ہو جائے تو ان کی تاثیر میں وہی فرق ہوگا جو شیر کے مجسمہ اور حقیقی شیر میں ہوتا ہے۔ سانپ اور اس کی تصویر میں ہوتا ہے لہٰذا ہمیں یہ عزم کرنا چاہیے کہ اس سال کا ہمارا رمضان کچھ اس طرح گذرے گا کہ یہ ارکان اربعہ اپنی حقیقی صورت کا عملی جامہ پہن کر ہماری زندگی میں وہ انقلاب لائیں گے جس سے ہمارے معاشرہ کی بھی تمام خامیاں اور خرابیاں دور ہوں گی۔ اور معاملات و حقوق العباد کی بھی صحیح کل بیٹھے گی صلہ رحمی اور اقرباء پروری کی بھی روح بیدار ہوگی، بچوں کی صحیح تعلیم تربیت کا بھی احساس بیدار ہوگا اور دنیا کے سامنے اسلام اور مسلمانوں کی صحیح تصویر پیش کرنے کا جذبہ بھی انگڑائی لے گا۔ وہ سب کتاب و سنت کے آئینہ میں ہوگا امت کے مفاد عامہ کے لئے ہوگا ہر ہر قدم پر رضائے خداوندی مقدم ہوگی نفس و شیطان کے ہر کید و مکر سے آزاد ہوں گے اللہ اکبر ہماری زبانوں سے اس قوت و طاقت کے ساتھ ادا ہوگا کہ وہ سارے "اکبر" بڑے جن کو شیطان نے بنا کر شعوری یا غیر شعوری طور پر ہمارے دلوں میں بٹھا دیا ہے ٹوٹ کر چکنا چور ہو جائیں گے ہم کیوں اس سال خیر و برکت، رحمت و مغفرت کے اس بحر بیکراں میں اس طرح غوطہ لگائیں کہ ہماری ساری گندگی دھل جائے ہم اللہ کے ہو جائیں اور اللہ ہمارا ہو جائے اور جب اللہ ہمارا ہو جائے گا تو وہ ہماری آنکھ بن جائے گا اس سے ہم دیکھیں گے وہ ہمارے کان بن جائے گا ان سے ہم سنیں گے وہ ہمارے پاؤں بن جائے گا ان سے ہم چلیں گے وہ ہمارے ہاتھ بن جائے گا ان سے ہم پکڑیں گے —[1] جب اللہ تعالیٰ ہماری آنکھ۔ کان ہاتھ اور پاؤں بن جائے گا تو یقیناً وہ تمام خرابیاں اور کمزوریاں ہمارے اندر سے دور ہو جائیں گی جن کی وجہ سے اس وقت ہمارا معاشرہ کرب و بے چینی میں مبتلا ہے ہمارے ذکر و تلاوت میں کچھ اضافہ تو ضرور ہو جاتا ہے۔ لیکن اخلاق کریمانہ، صفات مومنانہ اور انداز دلبرانہ کی دنیا کچھ اجاڑ سی رہتی ہے۔ ادائگی حقوق پابندی فرائض منصبی میں بڑی کوتاہی و خامی نظر آتی ہے اور اس کا ثبوت ہمارا ٹوٹا ہوا اور بکھرا ہوا معاشرہ پیش کر رہا ہے جہاں لڑائی جھگڑوں، حق تلفی، قطع رحمی ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل کا بازار گرم ہے بھائی بھائی سے روٹھا ہے، پڑوسی پڑوسی کا شاکی ہے

ایک دفعہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے سامنے کسی کی تعریف کی آپ نے فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟! اس نے کہا نہیں پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے اس نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو تم وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں — فرمایا آدمی کی نماز روزہ نہ جاؤ بلکہ اس کی سچائی اور عقل کو دیکھو[1]

کاش ہمارا رمضان اس سال اس طرح گذرتا کہ اس کی تاثیر ہماری غفلت شعاری کو ختم کر دیتی اور اسلامی تعلیمات کے ہر شعبہ میں ہم کو ایسا عملی نمونہ پیش کرنے کی طاقت بخشتی جس سے اسلام کوچہ و بازار میں، مسجد و محراب میں خلوت و جلوت میں دوستوں کی محفل میں دشمنوں کے ساتھ سلوک میں۔ ظالم کا ہاتھ پکڑنے اور مظلوم کی دادرسی غرض یہ کہ ہر جگہ چلتا پھرتا نظر آتا دیکھئے کہیں ایسا نہ ہو کہ جب رمضان گذر جائے تو

ہم حسرت سے کہیں ع

اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گذر گئے

---

[1] ما یزال عبدی یتقرب إلیّ بالنوافل حتی احببتہ الخ — مشکوٰۃ ج ۱

[1] الفاروق بحوالہ ازالۃ الخفا حصہ دوم — لا تنظروا إلی صلوٰۃ امرء ولا صیامہ ولکن انظروا إلی عقلہ وصدقہ

پیکرِ اخلاص

اے اے رمزی آثاری جودھپور

وہ تقدس کے منارے پیکر اخلاص تھے
وہ نبی کے صحابی بندگان خاص تھے
رات کو تھے عابد و ساجد تو دن میں شہسوار
پھول برساتی تھی ان پہ کامرانی کی بہار
ان کے نعرے گونجتے تھے گنبد افلاک میں
زندگی کا خون دوڑاتے تھے نبض خاک میں
وہ شہادت کے لہو سے لکھ گئے انجیل حق
کفر کی آندھی میں روشن کر گئے قندیل حق
سیکھ اے مسلم! جہاد زندگانی کا سبق
غور سے پڑھ ان کے زریں کارناموں کے ورق

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

چودھویں صدی ہجری میں "حمیت" و "عزیمت" کا پیکر مثالی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی کا یہ گرانقدر و قیمتی مضمون ۱۸، ۱۹ مارچ ۸۸ء کو مدنی ہال دہلی میں ہونے والے سیمینار میں ۱۸ مارچ کو بطور مقالہ یا خطبۂ صدارت پڑھا گیا، جو افادہ عام کی غرض سے ہدیۂ ناظرین ہے اس گذارش کے ساتھ کہ ہم مضمون پڑھ کر اپنے کو ٹٹولیں کہ ان درخشاں و تابندہ نقوش کے آئینہ میں ہماری تصویر کیسی نظر آتی ہے؟ — ادارہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى،

حضرات!

میں نے رابطہ ادب اسلامی کے ایک جلسہ میں جو ابھی کچھ عرصہ قبل ہوا تھا، "ادبُ التراجم"[1] کے عنوان سے شخصیتوں کے تعارف، سوانح نگاری کے آداب و نفسیات، اور تاریخ نویسی کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس طرح انسانی جسم، خارجی اشیاء، موسموں، مقامات، اور شہروں کا درجۂ حرارت و برودت (Temperature) ہوتا ہے، اسی طرح الفاظ و اوصاف کا بھی ایک درجۂ حرارت و برودت ہوتا ہے اور ان کا استعمال اسی اعتبار کے ساتھ صحیح محل و مقام اور ممدوح و موضوع کے اعتبار سے ہونا چاہیے، اگر اس میں تناسب و مطابقت اور احتیاط و احساسِ ذمہ داری اور ادائے شہادت کے فریضہ کا احساس نہیں کیا گیا تو وہ الفاظ اپنی قدر و قیمت کھو دیں گے، اور نہ صرف یہ کہ ان کی قدر و قیمت جاتی رہے گی، بلکہ جن کے لیے وہ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں ان کی قدر و قیمت اور ان کی عظمت و اہمیت کا احساس بھی نہیں ہو سکے گا، اور ایک واقف و باخبر انسان، نقاد معاصر، اور غائر نظر سے مطالعہ کرنے والے کو حسرت کے ساتھ کہنا پڑے گا ع

اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی!

لیکن یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت، اور ادبی و تصنیفی المیہ ہے، کہ ان تعارفی و توصیفی الفاظ کا اکثر اور خاص طور پر پچھلے دور میں بڑی فیاضی اور بے احتیاطی کے ساتھ استعمال ہوا ہے، "ایثار و قربانی"، "جانبازی و سرفروشی" "مجاہدانہ کارنامے"، "مجتہدانہ فکر و نظر" حتیٰ کہ "سرآمدِ روزگار، نادرۂ عصر، اور عبقری شخصیت (Genius) جیسے الفاظ کا استعمال بھی اکثر مبالغہ آرائی کے ساتھ اور ضروری احساس ذمہ داری کے بغیر ہوا ہے۔

انھیں تعارفی و توصیفی الفاظ میں "حمیت" و "عزیمت" کے عمیق، بلند پایہ اور امتیازی اوصاف بھی ہیں، جن کی مصداق اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت، اصلاح و انقلاب اور جہد و جہاد میں ہر دور میں معدودے چند شخصیتیں ہوئی ہیں، جو کسی مخالفِ اسلام یا دشمنِ حق جبروتی طاقت کے مقابلہ پر آئیں، "سلطانِ جائر" (جو کبھی رائے عامہ، مقبول قیادت، اور عوامی جوش و خروش کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے) کے منہ پر کلمۂ حق[1] کہا، کبھی کسی صاحبِ شوکت و سطوت سلطنت کے مقابلہ میں صف آرا ہوئیں جس کا ستارۂ اقبال بلند تھا، اور جس کے متعلق کبھی کبھی کہا جاتا تھا کہ "اس کی مملکت میں سورج غروب نہیں ہوتا"، جنھوں نے دین کی حمیت اور حق کی حمایت میں ہمیشہ "رخصت" پر "عزیمت" کو اور سکون و اطمینان کی زندگی اور اعزاز و افتخار کے مناصب و مواقع پر قید و بند اور طوق و سلاسل کو ترجیح دی، اور جن کی اسلام کی بے کسی، مسلمانوں کی بے بسی، شعائر اسلامی کی اہانت، آزاد و باعظمت اسلامی سلطنتوں اور ملکوں کی پامالی پر راتوں کی نیند حرام اور دن کا سکون غائب ہو گیا، اور جن کی زبان حال کہتی تھی ؎

اک ہوک سی دل میں اٹھتی ہے، اک درد سا دل میں ہوتا ہے
ہم راتوں کو اٹھ کر روتے ہیں، سارا عالم جب سوتا ہے

لیکن ان الفاظ "حمیت" و "عزیمت" کا استعمال بھی ہمارے پچھلے دور کے سوانحی لٹریچر اور سیاسی و دینی جلسوں کے اسٹیج پر ہونے والی تقریروں میں ایسی فراخ دلی اور اس کثرت کے ساتھ ہوا کہ ان الفاظ میں بھی کوئی جاذبیت اور وزن نہیں رہا، چنانچہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کا ذکر کرتے ہوئے میں نے پہلے "مکتوبات شیخ الاسلام" مرتبہ مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی کے حصۂ دوم (شائع شدہ ۱۹۵۲ء) کا مقدمہ لکھتے ہوئے پہلی بار لکھا تھا کہ:

"ایک جامع فضائل ہستی کے بارہ میں یہ اندازہ لگانا بہت مشکل معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فضائل و کمالات میں مرکزی و نمایاں صفت کونسی ہے؟ جس کو اس کی شخصیت کی کلید قرار دیا جائے، اور جس سے اس کی زندگی و خصوصیات کو سمجھنا آسان ہو جائے؟ مولانا کو بہت سے لوگ ایک عالم اور محدث کی حیثیت سے جانتے ہیں؛ بہت سے لوگ ایک شیخ طریقت اور سالک کی حیثیت سے جانتے ہیں؛ بہت سے لوگ ایک سیاسی رہنما اور مجاہد کی حیثیت سے جانتے ہیں، اور اس میں شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات کو ان سب فضائل سے آراستہ کیا ہے، لیکن میری کوتاہ نظر میں دو صفتیں آپ کی زندگی میں کلیدی حیثیت رکھتی ہیں، جنھوں نے آپ کو اپنے معاصرین میں ممتاز بنایا ہے، ایک "عزیمت" دوسرے "حمیت"[1]"

پھر ۱۹۸۰ء میں اپنی کتاب "پرانے چراغ"[2] کے حصۂ اول میں (اس مضمون میں جس میں مولانا کے بارہ میں اپنے دید و شنید اور مشاہدات و تأثرات کا ذکر کیا ہے) اسی مضمون کو مختصراً دہرایا ہے۔ لیکن جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا، ان اوصاف "حمیت و عزیمت"، یا "عزیمت و حمیت" کا عرصہ سے ایسا موقع بے موقع استعمال کیا گیا تھا اور گوش و نظر ان کے صحیح وزن اور ان کے درجۂ حرارت اور ان کے سلسلہ میں اقبال کے الفاظ میں "دلوں کی تپش اور شبوں کے گداز" سے اور ان کے ہدف و نشانہ کی بلندی اور ان کے میدان کی وسعت اور اس میدان کی دشوار گذاری اور خارزاری سے اتنے ناآشنا تھے، کہ لکھنے والے کا یہ احساس غالباً خلاف واقعہ نہ ہوگا کہ مولانا کے عقیدت مندوں کے وسیع حلقہ میں ان مضامین کے پڑھنے والوں میں سے ایک تعداد نے اس کو مولانا کی بلند پایہ ذات کے ساتھ ناانصافی شمار کیا اور اس کو مضمون نگار کی (جس کو خواہ مخواہ اس مجموعۂ مکاتیب پر مقدمہ لکھنے کی زحمت دی گئی) نظر کی نارسائی اور قلم کی کوتاہ بیانی پر محمول کیا، لیکن مجھے اس حقیقت کے اظہار میں اب بھی کوئی تردد یا اس اظہار خیال پر ندامت و شرمساری کا کوئی احساس نہیں ہے، اور میں اب بھی ان دونوں امتیازی صفات کو مولانا کی کثیر الجہات اور عظیم الصفات والکمالات ذات میں مرکزی مقام، اور ان کو ان کی انفرادیت سمجھنے کے لیے "شاہ کلید" (Master Key) کا درجہ دیتا ہوں۔

لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ جس جبروتی طاقت اور عظیم سلطنت کے مقابلہ میں وہ میدان میں آئے، اس کا (جہاں تک اسلام اور مسلمانوں، خلافتِ اسلامی اور آزاد ممالکِ اسلامیہ اور خود ہندوستان کا تعلق ہے) تاریخی کردار، اس کی اسلام دشمنی، اسلامی سطوت و وحدت کی بیخ کنی، اور خلافتِ اسلامیہ اور سلطنتِ عثمانیہ کے زوال و استیصال میں اس کا قائدانہ حصہ، جزیرۃ العرب، حجاز مقدس اور ان عرب ممالک پر اثر و نفوذ قائم کرنے کی کامیاب جد و جہد جو دعوت اسلامی کا منبع و سرچشمہ، مقامات مقدسہ پر مشتمل اور مسلمانوں کی عقیدت و محبت کا مرکز ہیں، نیز اس عظیم مردم خیز، تاریخ ساز تجدیدی و اصلاحی تحریکوں اور علوم دینیہ و اسلامیہ کے آخری مرکز ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ اور وہاں کی اس مسلم آبادی پر جس نے اس ملک پر آٹھ سو برس تک بڑی شان و شوکت کے ساتھ حکومت کی، تمدنی و تہذیبی، علمی و فکری، سیاسی و انتظامی طور پر اس کو چار چاند لگائے اور اس کو پہلی مرتبہ سیاسی وحدت و مرکزیت اور انتظامی

---

[1] یہ مضمون راقم سطور کے ادبی مضامین کے عربی مجموعہ "نظرات فی الأدب" مطبوعہ ...

[1] صحیح حدیث میں آتا ہے: "الا إن افضل الجهاد كلمة حق عند سلطان جائر" (مسند احمد) ...

[1] مقدمہ "مکتوبات شیخ الاسلام" ...

[2] ملاحظہ ہو "پرانے چراغ" حصہ اول ...

سے آشنا کیا، ان سفاکانہ مظالم کی داستان بھی سامنے ہو جن کا اعتراف انگریز مصنفین و مؤرخین اور عسکری و انتظامی شعبے کے ذمہ داروں نے بھی کیا ہے، اور جن کو پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تاریخی عہد کے تقدم و تاخر کے لحاظ سے پہلے یہ داستان ہندوستان ہی کی کہانی سے شروع کرتے ہیں، جو انیسویں صدی کے وسط کا زمانہ ہے۔ اس کے بعد خلافت اسلامی سلطنت عثمانیہ اور بلاد عربیہ کے سلسلہ میں اس کے مجرمانہ سیاسی کردار کا ذکر کریں گے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی (جس کو انگریز مصنفین کی تقلید میں ۱۸۵۷ء کا غدر کہا جاتا رہا ہے) صحیح معنی میں عوامی اور قومی جد و جہد تھی، اور ہندو مسلمان سب اس میں شریک تھے، ہندوستان نے وطن دوستی، اتحاد و گرم جوشی، اور جوش و ولولہ کا ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا جیسا اس وقت دیکھنے میں آیا، پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ قیادت اور رہنمائی کے میدان میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا، اس کے اکثر قائد مسلمان ہی تھے[1]، اور جیسا کہ سر ولیم ہنٹر نے لکھا ہے

"اس جنگ میں وہی چنگاریاں کام کر رہی تھیں جو حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اور مجاہدین نے فروزاں کی تھیں"[2]

جنگ آزادی کی یہ کوشش جب ناکام ہوئی تو انگریزوں نے ہندوستانیوں سے سخت انتقام لیا، جس کی داستان لرزہ خیز اور ہوش رُبا ہے، یہ ایک قتل عام اور نسل کشی تھی، لیکن مسلمان خاص طور سے اس کا نشانہ تھے، اس لیے کہ انگریز یہ سمجھتے تھے کہ یہ اسلامی جہاد تھا اور مسلمان اس بغاوت کے بانی، قائد اور رہنما ہیں۔

ایک انگریز مصنف (Henry Mead) کہتا ہے:

"اس سرکشی کو موجودہ مرحلہ میں سپاہیوں کی بغاوت کا نام نہیں دیا جا سکتا، یقیناً اس کا آغاز سپاہیوں سے ہوا، لیکن بہت جلد اس کی حقیقت آشکار ہو گئی، یعنی یہ کہ یہ اسلامی بغاوت تھی"[3]

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے:

"ایک انگریز کا شیوہ یہ ہو گیا تھا کہ ہر مسلمان کو باغی سمجھتا تھا ہر ایک سے پوچھتا ہندو یا مسلمان؟ جواب میں مسلمان سنتے ہی گولی مار دیتا"[4]

پھر پھانسی کا سلسلہ شروع ہوا، عام شاہراہوں، سڑکوں پر پھانسی کے تختے لگا دیے گئے، اور یہ جگہیں انگریزوں کی تفریح اور دلچسپی کا مرکز بن گئیں جہاں آکر وہ پھانسی پانے والوں کے سسکنے اور دم توڑنے کے وقت کا لطف لیتے، سگریٹ کا کش لگاتے اور آپس میں باتیں کرتے رہتے، جب پھانسی کا کام پورا ہو جاتا اور وہ مظلوم شخص آخری سانس لیتا تو ہنسی اور مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتے، ان بدنصیبوں میں بڑے بڑے ذی وجاہت اور اشراف تھے، بعض مسلم محلے اس طرح تہہ تیغ کر دیے گئے، کہ ایک فرد بھی باقی نہ بچا۔

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے:

"ستائیس ہزار اہل اسلام نے پھانسی پائی، سات دن برابر قتل عام رہا، اس کا حساب نہیں اپنے نزدیک گویا نسل تیموریہ کو نہ رکھا، مٹا دیا، بچوں تک کو مار ڈالا، عورتوں سے جو سلوک کیا بیان سے باہر ہے، جس کے تصور سے دل دہل جاتا ہے"[5]

میلی سن لکھتا ہے:

"ہمارے فوجی افسر ہر قسم کے مجرموں کو مارتے پھرتے تھے، اور کسی درد و تأسف کے بغیر انھیں پھانسیاں دے رہے تھے، گویا وہ کتے تھے یا گیدڑ، یا نہایت ادنیٰ قسم کے کیڑے مکوڑے"[6]

فیلڈ مارشل لارڈ رابرٹس نے ۲۱ جون ۱۸۵۷ء کو اپنی والدہ کو ایک خط میں لکھا،

"سزائے موت کی سب سے زیادہ مؤثر صورت یہ ہے کہ مجرم کو توپ سے اڑا دیا جائے، یہ بڑا ہی خوفناک نظارہ ہوتا ہے، لیکن موجودہ وقت ہم احتیاط پر کاربند نہیں ہو سکتے، ہمارا مقصد ان بدمعاش مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ خدا کی مدد سے انگریز اب بھی ہندوستان کے مالک ہیں"[7]

ان سفاکانہ مظالم اور قتل عام کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ مسلمانوں پر معاش کے دروازے بند کیے جائیں، ان کے اوقاف اور جائدادوں کو ضبط کیا جائے، جن سے ان کے مدارس اور ادارے چلتے ہیں، ایسے مدارس کھولے جائیں اور ایسا تعلیمی نظام قائم کیا جائے جس سے مسلمان فائدہ نہ اٹھا سکیں، اسی کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی متعدد جلیل القدر ہستیوں کو حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا دیکر انڈمان روانہ کر دیا گیا[8] جن میں سے کئی حضرات نے وہیں نجات پائی۔

یہ حالات و حقائق تھے جنھوں نے اہل حمیت مسلمانوں اور خاص طور پر ان علمائے ربانی اور اساطین ایمانی کے (جو دینی حمیت، انسانی غیرت اور حب الوطنی کے جذبہ سے) دلوں کو زخمی کر دیا، ان میں سر فہرست حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت قدسیہ کے باقی ماندہ افراد، مسلک ولی اللّٰہی کے حامل، اور وہ عالی نظر علماء تھے، جو انگریزی حکومت اور اقتدار کو اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا حریف، مادی و لادینی تحریک کا علم بردار، پورے مشرق و ایشیا کی عزت کو خاک میں ملانے والا، اور دنیا کی تہذیب و سیاست کو ایسا رخ دینے والا سمجھتے تھے، جس میں روحانیات، اخلاقیات بلکہ انسانی قدروں کے بھی پنپنے اور باقی رہنے کی کوئی گنجائش نہیں،

دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے تلامذہ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اور اس کی قیادت کی۔

ہندوستان کے اس حصہ کو ہم اسی جگہ چھوڑتے ہوئے اب خلافت اسلامیہ، سلطنت عثمانیہ اور بلاد عربیہ کی طرف آتے ہیں۔

مغربی طاقتوں نے خلافت اسلامیہ اور سلطنت عثمانیہ کو ہمیشہ اس نظر سے دیکھا کہ وہ ایک طرف اسلام کی پاسبان، اسلام کی عزت و عظمت کا نشان، حجاز مقدس جزیرۃ العرب اور مقامات مقدسہ کی امین اور ان کی حفاظت کا حصار، اور مسلمانوں کی سیاسی طاقت، وحدت و خود اعتمادی و خود شناسی کی ضامن و محافظ ہے، دوسری طرف وہ یورپ کے سینہ پر ایک کیل ہے جس نے اس کو صدیوں سے بے چین کر رکھا ہے، اس احساس میں برطانیہ جس نے چھٹی صدی ہجری اور بارہویں صدی عیسوی میں جنگ صلیبی میں بھی قائدانہ کردار ادا کیا تھا اور "شیر دل" ریچرڈ نے اس کی نمائندگی کی تھی، پیش پیش تھا، اسی کی تحریک اور اشارہ سے بلقان کی جنگ کا طویل سلسلہ شروع ہوا، جس کا مقصد یورپ میں ترکی مقبوضات اور مستعمرات کو آزاد کرانا اور ترکی سلطنت کو کمزور اور محدود سے محدود تر کر دینا تھا، اسی سلسلہ کا ایک اہم حصہ شریف مکہ (شریف حسین) کو ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا اور ان کو خلافت کے منصب پر فائز کرنے کا وعدہ تھا، ۱۹۱۴ء میں جب جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو برطانیہ کے نمائندے اور مصر کے امور کے ذمہ دار لارڈ کچنر نے شریف حسین کو ان کے صاحبزادہ شاہ عبد اللہ اور دوسرے با اثر لوگوں کے ذریعہ اتحادیوں کا ساتھ دینے، اور خلیفۂ عثمانی کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کر لیا، اور ان کو منصب خلافت پر فائز ہونے اور حجاز کا مطلق العنان حاکم بننے کے سبز باغ دکھا کر اور مؤکد وعدوں اور تحریری دستاویزوں کے ذریعہ اس اقدام پر آمادہ کر لیا، جو مسلمانوں کی پچھلی تاریخ میں عرصۂ دراز تک ایک بدنما داغ اور ایک شرمناک واقعہ کے طور پر ذکر کیا جاتا رہے گا، ۳۰ اگست ۱۹۱۵ء سے ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء تک حکومت برطانیہ کے مؤقر نمائندوں اور شریف مکہ کے درمیان خطوط اور رسائل کا تبادلہ ہوتا رہا، اور ان کو یقین دلایا جاتا رہا کہ ان کو اس اقدام کا پورا صلہ اور انعام ملے گا، لیکن جنگ عظیم کے خاتمہ پر ۱۹۱۸ء میں جب روز روشن کی طرح یہ حقیقت سامنے آگئی کہ یہ سب وعدے سیاسی فریب اور نقش بر آب تھے، ان کے بلند حوصلہ صاحبزادہ فیصل بن حسین کو شام سے جسے انھوں نے سابقہ وعدوں کی بنا پر اپنے قبضہ میں لے لیا تھا، بیک بینی و دو گوش نکلنا پڑا، اور فرانس نے

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب "ہندوستانی مسلمان" کا باب "ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا حصہ" ص ۱۴۶-۱۸۰

[3] EDWARD THOMPSON, THE OTHER SIDE OF THE MEDAL- P. 40 (1926)

[4] Lord Roberts, "Forty one Years in India", P. 152

[5] ۱۸۵۷ء از غلام رسول مہر ... قیصر التواریخ جلد دوم، از سید کمال الدین حیدر ...

[8] مثلاً مولانا یحییٰ علی صادق پوری، مولانا عبد الرحیم صادق پوری، مولانا محمد جعفر تھانیسری

ذانس نے اور فلسطین و بیت المقدس پر برطانیہ نے اپنا انتداب قائم کیا تو ان سب معاہدات کی قلعی کھل گئی، جو برطانیہ اور شریف حسین کے درمیان ہوئے تھے، اس زمانہ میں جب عرب پورے اخلاص کے ساتھ خلافت عثمانی کے بالمقابل اتحادیوں کے حلیف بن کر ترکوں سے لڑ رہے تھے، روس میں کمیونسٹ انقلاب آیا، اور ۱۹۱۷ء میں کمیونسٹ حکومت قائم ہو گئی، اس وقت وہ تمام خفیہ معاہدے منظر عام پر آگئے، جو قیصر کی حکومت کے زمانہ میں ہوئے تھے، یا جس میں وہ ایک فریق تھے، انھیں معاہدات اور دستاویزوں میں سائکس پیکو کا وہ معاہدہ تھا جو برطانیہ اور فرانس کے درمیان ۱۹۱۶ء میں ہوا تھا جس میں فریقین نے جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد مشرق وسطی میں سلطنت عثمانیہ کو مردہ آدمی کے ترکہ کی طرح تقسیم کیا تھا، اور اس کے حصے بخرے کر دیے تھے، شریف حسین کو ترکوں کے واسطہ سے جب اس کا علم ہوا تو انھوں نے سر میکموہن سے اس کی حقیقت معلوم کی، انگریزوں نے اس وقت بھی یہی کہا کہ وہ اپنے قدیم وعدوں پر قائم ہیں اور وہ عربوں کی آزادی اور عربی وحدت کے اعلان کا بھی عزم کر چکے ہیں، لیکن جلد اس فریب کا پردہ چاک ہو گیا، اور ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو برطانیہ اور فرانس نے سائکس پیکو کے معاہدہ ہی کے مطابق شام و فلسطین و عراق کو تقسیم کر لیا، جس میں شام، صوبہ بیروت، جبل لبنان و کیلکیا شام کے حصہ میں، فلسطین و عراق انگریزوں کے حصہ میں آئے، اور شریف حسین کو حجاز چھوڑ کر پہلے اپنے صاحبزادہ شاہ عبد اللہ کے پاس عمان پھر قبرص میں پناہ لینی پڑی، جہاں انھوں نے غریب الوطنی اور کس مپرسی کی حالت میں ۱۹۳۱ء میں جان دی، عرب فاضل محمد جمیل بیہم اپنے فاضلانہ مقالہ "انتفاضات العرب القومية" شائع شدہ مجلة اللغة العربية "دمشق (ستمبر ۱۹۷۴ء) میں لکھتے ہیں کہ:

"میں شریف حسین سے قبرص میں جو ان کی جلا وطنی کی جگہ تھی، جب ۱۹۲۹ء میں ملا تو روئی کے ایک تھیلہ میں بندھے ہوئے ان معاہدات کو انھوں نے مجھے دکھایا جب میں نے ان سے ان کی یادداشتوں کے ایک سلسلہ میں ترتیب دینے کی اجازت طلب کی تو انھوں نے کہا: "اترکہا علی برکات اللّٰہ"[1]

راقم سطور جب ۱۹۵۱ء میں بیت المقدس حاضر ہوا تو مسجد اقصیٰ کی ایک حاضری کے موقع پر ایک معمر بزرگ سے ملاقات ہوئی جو مفتی سید امین الحسینی صاحب مرحوم کے رفیق اور معتمد رہ چکے تھے، انھوں نے کہا کہ میں ایک مرتبہ مفتی صاحب کی ہمرکابی میں شریف حسین کی عیادت کے لیے عمان گیا، ہمیں دیکھ کر شریف مکہ نے کہا کہ مجھے بٹھا دو، ان کو بٹھا دیا گیا، انھوں نے شاہ عبد اللہ کو خطاب کر کے کہا کہ:

"یَا عَبْدَ اللّٰہِ! اِعْتَبِرْ، اُذْکُرْ، اِتَّعِظْ" (عبد اللہ! عبرت حاصل کرو، ہوش کی آنکھیں کھولو، سبق لو، یہ انگریز کسی کے نہیں ہیں-)

شاہ عبد اللہ نے کہا کہ آرام فرمائیے آرام فرمائیے! اور ان کو لٹا دیا۔

ترکی کے حصے بخرے کرنے اور بلاد عربیہ اور جزیرۃ العرب پر اپنا سیاسی نفوذ اور تسلط قائم کرنے سے زیادہ خطرناک وہ دور رس، انقلاب انگیز اور منحوس فیصلے اور تبدیلیاں تھیں جو برطانیہ نے ترکی کی نئی قائم ہونے والی سلطنت سے (جس کی قیادت مصطفیٰ کمال پاشا کر رہے تھے) کرائیں، اور جنھوں نے ترکی کو خلافت اسلامی کا امین و محافظ، ایک پرجوش، جاں نثار حامی اسلام، سر بکف مجاہد اور جزیرۃ العرب اور مقامات مقدسہ کا متولی بننے کے بجائے ایک لادینی، آزاد، مغربی طرز کی سکولر سلطنت بننے میں تبدیل کر دیا، مارچ ۱۹۲۴ء کی تاریخ تھی جب قسطنطنیہ کی مجلس وطنی نے الغاء خلافت کا فیصلہ کیا، یہ فیصلہ مغربی طاقتوں، بالخصوص برطانیہ کے اشارہ بلکہ اصرار سے عمل میں آیا، "تاریخ الدولة العثمانية" کا فاضل مصنف ڈاکٹر علی حسون لکھتا ہے:

"انگلستان نے اس اعلان کے فوراً بعد ترکی کو بحیثیت ایک آزاد سلطنت کے تسلیم کیا، اور اس کی فوجیں ترکی کے حدود سے باہر نکل آئیں، برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے مجلس عوام (House of Commons) میں اس کارروائی پر احتجاج کیا، اس کا جواب کرزن نے ان الفاظ میں دیا کہ:

"مسئلہ یہ ہے کہ ترکی کا ایسا زوال عمل میں آگیا ہے کہ اس کے بعد پھر اس کا عروج نہیں ہوگا، اس لیے کہ ہم نے اس کی روحانی و معنوی طاقت (خلافت اسلامی) کو ختم کر دیا ہے"[2]

اس کے ساتھ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ لوزان کانفرنس میں برطانوی وفد کے صدر کرزن نے ترکی کو تسلیم کرنے کے لیے چار شرطیں رکھی تھیں، خلافت اسلامیہ کا مکمل خاتمہ۔ خلیفۃ المسلمین کی جلاوطنی، ان کے مال و جائداد کی ضبطی، حکومت کے لادینی (سکولر) ہونے کا اعلان، جس کو اگرچہ ترکی وفد نے اس وقت منظور نہیں کیا، لیکن کمال اتاترک کی کوششوں سے بالآخر پارلیمنٹ نے اس کو منظور کیا، اور مغربی طاقتوں کا جس میں برطانیہ پیش پیش تھا، وہ خواب پورا ہوا جو عرصہ سے دیکھ رہی تھی۔

یہ وہ تاریخی سانحہ اور المیہ تھا جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اور ان میں سب سے زیادہ علماء کے طبقہ کو اور ان میں بھی اس جماعت کو جس کے دل میں حمیت اسلامی کا دریا جوش مار رہا تھا، اور جس کو اپنے اسلاف سے عزیمت و جہاد، حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی دولت ورثہ میں ملی تھی، بے چین اور مضطرب بنا دیا، اور مغربی طاقتوں، بالخصوص برطانیہ کے خلاف ایک ایسی نفرت، بیزاری پیدا کر دی جس کی نظیر برطانیہ کے دوسرے مقبوضہ ممالک میں دیکھنے میں نہیں آتی، ان کی اس حمیت اسلامی نے تحریک خلافت کی شکل میں وہ عظیم تحریک پیدا کی جس کی دوسرے اسلامی ملکوں میں نظیر نہیں ملتی۔ طبقۂ علماء میں اس کے نمایاں ترین قائد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی، مولانا قیام الدین عبد الباری فرنگی محلی لکھنوی، مولانا معین الدین اجمیری، مولانا سید حسین احمد مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ابو المحاسن محمد سجاد بہاری، مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا سید داؤد غزنوی وغیرہ اور طبقۂ علماء کے باہر رئیس الاحرار مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، حاذق الملک حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر انصاری وغیرہ تھے۔

دسمبر ۱۹۱۶ء میں حضرت شیخ الہند اور آپ کے رفقاء کو جن میں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، مولوی عزیر گل صاحب، حکیم مولوی نصرت حسین صاحب رئیس کوٹرہ جہان آباد، اور مولوی سید وحید احمد صاحب تھے، حجازی حکام نے گرفتار کر کے انگریزی حکومت کے حوالہ کر دیا جس نے انھیں پہلے مصر پھر مالٹا میں اسیر و نظر بند رکھا، یہ حضرات وہاں تین سال دو ماہ رہ کر فروری ۱۹۲۰ء میں رہا ہو کے جون ۱۹۲۰ء میں ہندوستان آئے، لیکن حکیم نصرت حسین صاحب کا وہیں انتقال ہو گیا۔

تحریک خلافت نے ہندوستان میں جو جوش ایمانی، غیرت اسلامی، حمیت دینی، بلند نگاہی اور مصائب و محن پر صبر و استقامت کی شان پیدا کر دی تھی، اس کو "حمیت" و "عزیمت" کے الفاظ سے بہتر الفاظ (جو نظر کے ان کے صحیح وزن اور درجہ حرارت کو بتا جائیں) نہیں مل سکتے، اور اس کا مظہر اتم اور نمونۂ کامل حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی تھے، جن کی انگریز دشمنی اور حمیت دینی فکری و اعتقادی حدود سے آگے بڑھ کر قلبی و جذباتی نفرت و عداوت اور قال سے آگے بڑھ کر حال میں تبدیل ہو گئی[3] اس موقعہ پر مولانا کے ایک مکتوب کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے جس سے ان کی دینی حمیت، انگریز دشمنی اور حب الوطنی کا کسی قدر اندازہ ہوتا ہے اور اس کے اسباب پر روشنی پڑتی ہے، اس کی مزید تفصیل اور شرح و بسط "نقش حیات" میں ملے گی[4]

"میرے محترم دوست! آپ کو معلوم ہے کہ اگرچہ تمام غیر اسلامی مذاہب اور ان کے ماننے والے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، مگر سب دشمن ایک طرح کے نہیں ہوتے، کوئی بڑا ہے کوئی چھوٹا ہے، ہر دشمن سے اس کے درجہ کے موافق مقابلہ کرنا لازم ہوگا، جب سے اسلام نے ظہور کیا ہے، انگریز کے برابر اسلام اور مسلمانوں کو کسی قوم نے نقصان نہیں پہونچایا، انگریز دو سو برس سے زیادہ

[1] مجلہ۔ ص ۷۶۸

[2] تاریخ الدولة العثمانية ص ۲۷۳، مطبوعہ مکتبہ اسلامی دمشق، بیروت

[3] اس وقت ان کی عمر ۹۰ سال تھی۔ اس کا کسی قدر اندازہ مولانا کی مجلس میں بیٹھنے والوں، اور فجر کی نماز میں قنوت نازلہ سننے والوں کو ہو سکتا تھا کہ جب مولانا دشمنان اسلام کے لیے "اَللّٰھُمَّ مَزِّقْھُمْ کُلَّ مُمَزَّقٍ وَشَتِّتْ شَمْلَھُمْ وَزَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ وَفَلَّ حَدَّھُمْ وَاھْزِمْ جُنْدَھُمْ، اَللّٰھُمَّ خُذْھُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ" کے الفاظ ادا کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ مرعوب میں اس کے اثر سے رعشہ پڑ جائیں گے۔

[4] ملاحظہ ہو ص ۱۳۱ تا آخر کتاب ص ۲۳۹۔

سے اسلام کو فنا کر رہا ہے، اس نے ہندوستان کی اسلامی طاقت کو فنا کیا، بادشاہوں اور نوابوں اور امراء کو قتل کیا، ان کی فوجوں کو برباد کیا حکومتہائے اسلامیہ کو تہ وبالا کیا، خزانوں کو لوٹا، اپنے اقتدار کا خزانہ قائم کیا، اپنے قوانین کو جاری کیا، ہندوستان کی تجارت، صنعت وحرفت علم وتہذیب وغیرہ کو برباد کیا، ٹیکسوں اور لگانوں وغیرہ کے ذریعہ سے ہر قسم کی مالی لوٹ جاری کر کے اپنے ملک کو غنی اور ہندوستان کو کنگال بنایا ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو انتہائی ذلیل، نادار، بے کار، بے روزگار بنایا، مسلمانوں سے ہندوستان کے دوسرے مذہبوں والوں کو متنفر کرکے دشمنی کی آگ بھڑکائی اور ہر جگہ بے ہتھیار اور کمزور کیا، ہندوستان میں اسلامی قوانین کے خلاف شراب اور منشیات کی آزادی، زنا اور بدکاری کی آزادی الحاد وزندقہ وارتداد کی آزادی عدالتوں میں خلافِ اسلام قانون کا اجراء اور وہاں کے موافق فیصلہ جات جاری کیے، محکمہ قضا کے خلاف معاہدہ مٹا کر مسلمانوں کے اسپیشل قوانین کو ملیامیٹ کیا، وغیرہ وغیرہ، ہندوؤں کو قصداً بڑھا کر ہر محکمہ اور ہر شعبۂ زندگی میں قوی تر کیا، اور سود در سود کو جاری کیا، غرض کہ ہر طرح سے اسلام اور مسلمانوں کو ہندوستان میں برباد کیا، اور جب کہ مسلمانوں نے اپنے فطری اور شرعی حق آزادی کے لیے جدوجہد کی تو ان پر اس قدر مظالم کیے کہ ان کی یاد سے بھی دل تھرا اٹھتا ہے ۱۸۵۷ء کی تاریخ اور اس سے پہلے کے واقعات دیکھیے اور وہ مظالم جو ۱۸۵۷ء سے پہلے کیے تھے اور ۱۸۵۷ء میں ہوئے، ان کو بار بار دہراتے رہے۔ غرض کہ ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ خصوصاً اور تمام ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ عموماً وہ شرمناک معاملے کیے گئے کہ وہ ہندوستان جو کبھی جنت نشان تھا جہنم نشان بن گیا، وہ ہندوستان جو کہ دولت وثروت کا گڑھ تھا وہ فقر وفاقہ، افلاس وتنگدستی کا اڈہ ہوگیا، وہ ہندوستان جو کہ علم وحکمت کا سمندر تھا، وہ جہالت اور بد دینی کا چٹیل میدان ہوگیا، وہ ہندوستان جو تمام دنیا کا محتاج الیہ تھا، وہ سب سے زیادہ مفلس، قلاش، مسکین، فاقہ مست بے کمال، بے روزگار، گرانی اور پس ماندگی کا شکار ہوگیا، یہ مظالم تو تھے ہی جن میں مسلمان سب سے زیادہ تباہ ہوئے ہیں۔"

برطانیہ کی اسلام دشمنی کا دوسرا اور ممالک عربیہ اور مقامات مقدسہ کو (جن کی وحدت اور آزادی کے وعدہ پر شریف مکہ کو خلیفۃ المسلمین اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف آمادہ کیا تھا) ہمیشہ کے لیے داؤں پر لگا دینے کا منحوس اقدام، فلسطین میں اسرائیل کی آزاد حکومت کا قیام ہے جو ۱۹۴۸ء میں خالص برطانیہ کی سرپرستی میں عمل میں آیا، اور جو عالم عربی کے جسم میں ایک ناسور کی حیثیت رکھتا ہے، اور جس نے پورے فلسطین ضفہ غربیہ اور سینا اور لبنان کو یہودیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے، اس سے بڑھ کر اسلام دشمنی اور عربوں کے مفاد کے خلاف اس پچھلے عہد میں کسی مغربی طاقت کی طرف سے کوئی منصوبہ یا اقدام وجود میں نہیں آیا۔

اس مضمون کے آخر میں اس تاریخی حقیقت کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے عظیم ملک پر سات سمندر پار کی ایک بدیشی قوم کا جس کی تہذیب، کلچر، زبان، مذہب اور سیاسی مقاصد اس ملک سے کوئی میل نہیں کھاتے تھے، حکومت کرنا ایک غیر فطری، غیر عقلی اور غیر اخلاقی صورت حال تھی، جس میں زیادہ دنوں تک باقی رہنے کی صلاحیت نہیں تھی، کسی نہ کسی دن ملک کی روح اور ضمیر کا اس کے خلاف بغاوت کرنا اور اس کی حکومت کے جوئے کو اتار کے پھینک دینا اور ملک کا آزاد ہو جانا ایک فطری عمل تھا، اور زمانہ قریب وبعید میں اس ملک کا آزاد ہونا تقدیر الٰہی اور اقوام [illegible] کی تاریخ کا پرانا تجربہ اور بار بار پیش آنے والا واقعہ تھا، اس لیے اس جنگ آزادی میں جو اس ملک کے محبان وطن اور باغیرت اور باضمیر انسانوں نے انیسویں صدی کے آخر ہی میں شروع کر دی تھی، مسلمانوں کا قائدانہ حصہ لینا، اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ طبقۂ علماء کا پیش پیش ہونا، نہ صرف حب الوطنی کا تقاضہ اور اس ملک کا (جس میں انھوں نے صدیوں تک امن وامان اور سکون واطمینان کے ساتھ آزاد مذہبی زندگی گذاری تھی اور دین وعلوم دینیہ کی خدمت

۱ے مکتوبات شیخ الاسلام حصہ دوم صفحہ ۸۱-۸۲-۸۳ مرتبہ مولانا نجم الدین اصلاحی۔

کی تھی) اخلاقی ودینی فرض تھا، بلکہ دینی بصیرت، بالغ نظری، حقیقت پسندی اور انجام بینی کا بھی تقاضہ تھا، اس لیے کہ جس ملک کو اجنبی طاقت سے آزاد کرانے میں اہل دین کا قائدانہ حصہ نہیں ہوتا، اس ملک کے آزاد ہونے کے بعد ان کو اس ملک میں اپنے ملی تشخص کے بقا اور اس سرزمین پر عزت واعتماد کے ساتھ رہنے کا مطالبہ کرنے اور اس کے لیے جدوجہد کرنے کا موقعہ نہیں رہتا، اور وہ اس ملک کی جدید تعمیر وتشکیل میں آزادانہ ومساویانہ حصہ لینے کے مدعی اور طلب گار نہیں بن سکتے کہ الغُنم بالغُرم (نقصان اٹھانے کے بقدر فائدہ حاصل کرنے کا استحقاق ہوتا ہے) کا اصول ہر زمانہ میں تسلیم کیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا مدنی، ان کی جماعت (جمعیۃ العلماء)، ان کے رفقائے کار، اور جنگ آزادی میں حصہ لینے والے اور اس کے سلسلہ میں قید وبند کی مصیبتیں اٹھانے والے اور مخالفین کی ناراضگی اور مقاطعہ کا نشانہ بننے والے علماء اور اہل دین کا (جن کے سرخیل اور پیشوا شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ تھے) ملت اسلامیہ ہندیہ پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انھوں نے اپنی قربانیوں، خلوص وبے غرضی، ہمت وعزیمت اور صبر واستقامت سے (جو اکثریت کے بڑے سے بڑے قائدین کی قربانیوں سے کم نہیں) ہندوستان کی ملت اسلامی کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اس سرزمین پر اعزاز وافتخار کے ساتھ سر اونچا کر کے چلے، بڑی سے بڑی سیاسی اور مدعیٔ ایثار وقربانی جماعت سے آنکھیں ملا کر بات کرے، اور اپنے دین وشریعت، اپنی زبان وتہذیب، اپنے عائلی قانون (Personal Law) اور ملک کی آئین سازی اور نظام تعلیم میں اپنے تشخص اور اپنی ملی ضروریات کے تحفظ کا (احساسِ کہتری کے ادنیٰ شائبہ کے بغیر) مطالبہ کرے اور اس کے لیے جدوجہد کو جائز ہی نہیں ضروری سمجھے، یہ ملت پر اتنا بڑا احسان ہے جس سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی اور تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی، ان دینی قائدین اور مجاہدین آزادی کو ببانگِ دہل یہ اعلان کرنے کا حق ہے کہ ؂

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخون دل
قانونِ باغبانی صحرا نوشتہ ایم

حضرات! ہندوستان کی ملت اسلامی ملک کے آزاد ہونے کے ۳۰-۴۰ سال بعد پھر ایک ایسے دوراہے پر پہنچ گئی ہے جہاں سے ایک راستہ ملت کے اپنے دینی، تہذیبی، لسانی وثقافتی تشخص کے ساتھ باقی رہنے کی طرف جاتا ہے، دوسرا راستہ اپنے ہر قسم کے ملی، دینی وتہذیبی تشخص (Identity) سے محرومی اور تعلیمی پالیسی، لسانی فارمولے، ذرائع ابلاغ، یکساں سول کوڈ (Uniform Civil Code) اور جارحانہ احیائیت (Aggressive Revivalism) کے ذریعہ معنوی نسل کشی (Cultural Genocide) کی طرف لے جاتا ہے۔ اس موقعہ پر پھر ایسے رہنما یا رہنماؤں کی ضرورت ہے جو حضرت مدنیؒ کی حمیت وعزیمت کے ساتھ میدان میں آئیں اور اس ملت کو عرصہ تک کے لیے ان خطرات سے محفوظ کر دیں۔

آخر میں اس مقالہ کو خود حضرت مدنیؒ کے ایک پسندیدہ شعر پر ختم کرتا ہوں، جس کو انھوں نے اپنا اصول زندگی بنا لیا تھا اور جس کا مفاد یہ ہے کہ وہ "شاہِ خوباں" (خدائے بالا وبرتر) اپنی رضا ومقبولیت اور خلق خدا میں اعتماد وقبولیت کا جام "سرکشیدہ" کے بجائے "سر بریدہ" کو اور "خود بینی وخود پرستی" کے بجائے ایثار وقربانی کو اپنا شعار بنانے والے کو اور ان کو عطا فرماتا ہے جو "فنا" کے راستہ سے "بقا" تک پہونچتے ہیں۔

یہ شعر مولاناؒ نے اپنے ایک مخلص خادم کو لکھا تھا اور وہ خط ہمارے خاندانی ذخیرہ خطوط میں محفوظ ہے۔ ؂

نمی دانی کہ آں شاہِ نکو نام
بدستِ سر بریدہ می دہد جام

بقیہ صفحہ ۲ کا

تراویح اور وتر

عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت تراویح باجماعت مسنون ہے اگر حافظ بلا معاوضہ پڑھنے والا مل جائے تو تمام رمضان میں ایک قرآن مجید ختم کر دینا چاہیے۔ اس قدر زیادہ پڑھنا مکروہ ہے جس سے اکثر مقتدیوں کو تکلیف ہو اور تین دن سے کم میں ختم کرنا اچھا نہیں۔ اگر تراویح میں دو رکعت پر بیٹھنا بھول گیا اور پوری چار رکعت پر سلام پھیرا تو ان چار کو دو کی جگہ شمار کرنا چاہیے چار نہ سمجھے، جس شخص کی دو یا چار رکعت تراویح کی رہ گئیں وہ امام کے ہمراہ جماعت وتر پڑھے اور پھر اپنی باقی تراویح ادا کرے تو درست ہے جس شخص کو عشاء کے فرض باجماعت نہیں [illegible]

انانیت اور سطحی منفعت ومصلحت امت اسلامیہ کا ناسور

مولانا سید محمد رابع حسنی صاحب ندوی صدر شعبۂ عربی ادب ندوۃ العلماء لکھنؤ
(ترجمہ: سید محمد جاوید اقبال ندوی)

آج یورپ کے ہاتھ میں دنیا کی سیادت وقیادت ہے۔ حالانکہ یہ سیادت وقیادت اس کے پاس کوئی طویل زمانہ سے نہیں ہے بلکہ کچھ ہی صدیوں قبل یہ زمام قیادت اس کے ہاتھ میں آئی اس سے قبل مسلمان دنیا کی قیادت کر رہے تھے اس وقت مسلمان باہم متحد ومتفق تھے اور ایک جھنڈے کے نیچے تھے۔ یہی اتحاد ان کی قوت کا راز اور دنیاوی قیادت کا رمز تھا۔ مگر جب وہ مختلف جھنڈوں کے نیچے آگئے اور اتحاد کا رشتہ ٹوٹ گیا اور ہر ایک اپنے ہی مخصوص نقطۂ نظر کو بلند واعلیٰ سمجھنے لگا تو ان کے درمیان مقابلہ آرائی اور رسہ کشی شروع ہوگئی آپس میں دوری ہوگئی پھر تقسیم ہوگئی اور ان کی شوکت وعظمت باقی نہ رہی اور سیادت وقیادت ان کے ہاتھوں سے جاتی رہی۔

بڑی عجیب بات ہے کہ اس امت کو ہم ایک خدا ایک رسول ایک کتاب اور ایک کلمہ پر تو متحد پاتے ہیں لیکن اتحاد کا یہ رشتہ ہمیں اس کے معاملات کے اندر نظر نہیں آتا ہے درحقیقت اس امت کا روگ اور اس کی سرحدوں کا خطرناک پہلو اور حساس علاقہ یہی ہے۔ اگرچہ یہ اپنی وحدت کو بحال کرنے اور استوار کرنے کے لئے تنظیمیں انجمنیں اور جماعتیں قائم کرتی ہے لیکن اس کی اس وحدت کے اندر بالکل استقامت وپائداری نہیں ہوتی اور نہ سنجیدگی واستقلال ملتا ہے چنانچہ مستحکم بنیادوں پر قائم نہ رہنے کی وجہ سے اس کو سطحی منفعت ومصلحت اور انانیت پر غلبہ حاصل نہیں ہو پاتا ہے آج اس امت کو کتنے مشکل مسائل درپیش ہیں اور یہ کتنے سخت خطرات کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ جانی ومالی خسارے بھی اور ذلت ورسوائی بھی اس کو مختلف اطراف سے گھیرے رہتی ہے لیکن اس سے بھی تکلیف دہ جو بات ہے وہ یہ ہے کہ یہ دنیا کی نگاہوں میں بھی رسوا اور ذلیل ہوتی جا رہی ہے اس کی اس رسوائی کا بڑا سبب ہم یہ جانتے ہیں کہ اس کے حکام وامراء درپیش مسائل کو بہت ہی بچکانہ نظر سے دیکھتے ہیں اور ان کے حل کے سلسلہ میں وہ عموماً سیاسی لاعقلی کا شکار ہیں۔ مثلاً ایک عرصہ سے مسلسل چلنے والی خلیج کی جنگ ایسے حالات سے دوچار ہے۔ جن میں ہلاکت وبربادی کے علاوہ کچھ حاصل نہیں۔ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ جنگ صرف اس لئے جاری ہے کہ فریقین میں سے کسی ایک فریق کو جارح مان لیا جائے۔

کیا یہ کم عقلی اور غیر دانشمندی کی بات نہیں ہے کہ جان ومال کا خسارہ صرف اسلئے ہو رہا ہے کہ فریقین کے کانوں کو ایک دل پسند جملہ سننے کو مل جائے۔ سبحان اللہ! یہ بھی کیا خوب شوق ہے کہ ایک دل پسند جملہ اور انا کو تسکین دینے والے فقرہ کو حاصل کرنے کے لئے دہرا دہر عظیم تباہیوں کو برداشت کیا جائے اس دل پسند فقرہ کے مل جانے سے کیا فرق پڑے گا صرف یہ کہنے کو ملے گا کہ ہم جارح نہیں، جارح فلاں تھا یعنی ہماری مونچھیں نیچی نہیں ہوئیں فریق ثانی کی مونچھیں نیچی ہوئیں۔

اس جنگ میں مسلمانوں کی کیسی کیسی معنوی اور مادی قوتیں ضائع ہوئیں اور دنیا میں ان کی جو عزت تھی وہ برباد ہوئی اب اس کی تلافی ہونا ایک طویل عرصہ تک مشکل ہے اور اس کے اثرات اور یادیں، ایک طویل زمانے تک باقی رہیں گی۔

اس صدی کے اوائل میں یورپ امت اسلامیہ کے مادی وسائل اور اس کی بشری قوت سے خوف کھاتا تھا۔ اس کو اسلام کی روحانی قوت سے ڈر اور خطرہ لگا رہتا تھا، وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح وہ اس پر ضرب لگائے اور اس کو نیست ونابود کر دے چنانچہ اس جنگ کے ذریعہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا اور اس کو سب سے بڑی کامیابی یہ ملی کہ دشمنوں کے دلوں سے مسلمانوں کی ہیبت ودبدبہ جاتا رہا اور جن کو اسلام کے نام سے لرزہ آتا تھا، ان کو یہ احساس ہوگیا کہ اس امت کی حیثیت ایک غبارے کے مانند ہو گئی ہے جس کی بہت کچھ ہوا خارج ہو چکی ہے۔

آپس میں لڑنے والے ان دونوں اسلامی ملکوں کو اتنا احساس نہیں ہے کہ یہ اپنے دشمنوں کو ختم کرنے کے بجائے خود اپنے آپ کو ہلاک کر رہے ہیں اور اسلام کے تشخص کو نقصان پہونچا رہے ہیں اور اس ہیبت ورعب کو زائل کر رہے ہیں جو ان کے اسلاف نے دشمنوں کے دلوں میں پیدا کر دیا تھا اور جس کے وسیع اور گھنے سائے میں مخالفین کی طاقتوں پر یہ امت بھاری ہوتی رہی ہے اور مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ سب اسلام کے نام کی نعرے بازی کر کے اور اسکو سربلند بنانے کے نام سے ہو رہا ہے۔ لیکن اسلام کی شوکت وعظمت اس تباہی میں بکرے کی طرح ذبح کی جا رہی ہے۔

اگر یہ افسوس ناک صورتحال خدا نہ کرے۔ برابر جاری رہی تو مسلمانوں کا کوئی وزن اور کوئی وقعت دنیا میں (ان کی بہت بڑی تعداد میں ہونے کے باوجود) باقی نہ رہ جائے گی۔ دنیا کی قوموں اور امتوں کی نظر میں اہمیت اور وزن کی میزان۔ یہی ایک آخری علامت سمجھی جاتی ہے وہ بھی نہ رہ جائے تو پھر کیا رہ جائے گا!!

موجودہ اسلامی عہد دیگر اسلامی عہدوں کے مقابلہ میں اسلام کے نام پر نعرہ بازی اور اس کی سربلندی کے لئے کوشش کے تذکرہ میں ممتاز ہے چنانچہ مسلم قائدین کی زبانیں۔ اسلام کے ساتھ وفاداری، قوم پروری اور بلند مقاصد کی خدمت کا تذکرہ ہر وقت اور ہر موقع پر کرتی رہتی ہیں۔ حتیٰ کہ عوام الناس ان نعروں وغیرہ سے دھوکہ کھا جاتے ہیں، لیکن پھر وہ ان نعروں کو کھوکھلا سمجھ لیتے ہیں۔ وہ ان کے قول وفعل کے درمیان ہم آہنگی نہیں پاتے ہیں۔ لہٰذا ان کی جانب سے اس کے خلاف ردعمل ظاہر ہوتا ہے جو کبھی کبھی تشدد کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ خصوصاً جب ان کے جذبات کو کچلا جاتا ہے اور ان پر دباؤ ڈالا جاتا ہے جب وہ قائدین کے وعدوں کو عملی شکل میں دیکھنے کے لئے مطالبہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مختلف ممالک میں وسیع پیمانہ پر انارکی پائی جاتی ہے جو اسلامی ملکوں میں پھیل چکی ہے۔

ایران عراق جنگ، جو کہ عالم اسلامی کا ایک بڑا حادثہ ہے، افسوس اور رنج کی باعث ہے۔ اس جنگ کی آگ میں سیدھے سادے لوگوں اور ضعیف العقل نوجوانوں کی فوج در فوج تباہ وبرباد ہو رہی ہے حکام اور سیاستداں ان کی عقلوں اور جذبات کو استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن سب سے بڑا نہ کسی فریق کو دوسرے فریق پر غلبہ وبرتری حاصل ہو پا رہی ہے اور نہ ہی اس کی امید نظر آتی ہے اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ یہ دونوں فریق اپنی اپنی جگہ سے کھسکنے کیلئے تیار نہیں ہیں اور ان کے نوجوانوں کی جانیں اور ذخیرہ مال ودولت پانی کی طرح بے دریغ ضائع اور برباد ہو رہی ہے لیکن ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ ایران کے انقلاب (جو فرقہ وارانہ شکل میں ابتدا میں ظاہر نہیں ہوا تھا) کی تائید میں جوش لوگوں نے جلد بازی سے کام لیا۔ لیکن یہ حالت برقرار نہ رہی اور جب ایرانی انقلاب شیعہ فرقہ کے رنگ میں رنگ گیا تو اہل سنت والجماعت کے تائید کرنے والوں نے اپنی تائید واپس لے لی اور بعض حکومتوں کو ایران کی دھمکیوں سے خوف پیدا ہوا۔ اور حرم مکی کا وہ حادثہ پیش آیا جو انتہائی افسوسناک اور باعث حذر ہے۔

بقیہ: حضرت سید احمد شہیدؒ

اور واعظین کے زور خطابت اور اثر آفرینی کا ذکر ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ الفاظ سحر وجادو کا کام کرتے تھے۔

اس عہد کی زبان جیسا کہ آپ حضرات جانتے ہیں چیستاں سے کچھ کم نہ تھی۔ عبارت آرائی معراج فن تصور کی جاتی تھی۔ اس تحریک نے اردو ادب کو ایک نیا اسلوب عطا کیا۔ بات اگر کچھ اوپر سے شروع کی جائے تو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے صاحبزادے، حضرت شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر صاحب کے قرآن کے اردو ترجمے کو دیکھئے حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے خلیفۂ خاص ہیں اور آپ کی تحریک جہاد دراصل برصغیر میں احیاء سنت اور اعلاء کلمۃ اللہ کی اس کوشش کی عملی اور سب سے زیادہ ترقی یافتہ شکل ہے جس کی ابتداء حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی اور تجدید حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں ہوئی۔ حضرت شاہ صاحب نے قرآن کریم کی تفسیر وترجمہ دیگر زبانوں میں ہونے کی پرزور تائید کی اور آپ کے لائق صاحبزادے حضرت شاہ رفیع الدین صاحب نے اردو ادب کو پہلی بار قرآن کا ترجمہ عطا کیا یہ ترجمہ لفظی ہے۔ (باقی آئندہ)

اسلامی عبادات اور حج کی حقیقت

ڈاکٹر محمد یونس نگرامی ندوی ریڈر شعبۂ عربی لکھنؤ یونیورسٹی

قرآن مجید نے انسان کی نجات و کامیابی کی بنیاد پر ایمان اور عمل صالح بتایا ہے ایمان بنیاد ہے اور عمل صالح اس پر قائم شدہ دیوار یا عمارت، قرآن مجید نے اپنی بات کی وضاحت کے لئے تاریخ عالم کو انسانی بصیرت کے لئے یوں پیش فرمایا ہے۔

والعصر ان الانسان لفی خسر الا الذین آمنو وعملوا الصّٰلحٰت۔ یعنی کامیابی و کامرانی نسل اور قومیت پر منحصر نہیں ہے بلکہ ایمان اور عمل صالح کا سرمایہ اور متاع حقیقی ہی اصل بنیاد ہے۔

ہماری زندگیوں میں جہاں جہاں عمل کی کمزوری یا کوتاہی ہے اسی کے بقدر ایمان کی کمزوری علامت بن کر ابھرتی ہے کیونکہ کسی چیز میں کامل یقین ہوجانے کے بعد اسکے برخلاف عمل کرنا انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ آگ کو جلانے والی آگ یقین کر لینے کے بعد پھر کون اسمیں ہاتھ ڈالنے کی جرأت کر سکتا ہے۔

اس لئے عمل کا قصور ہمارے یقین کی کمزوری کو ظاہر کرتا ہے۔ عمل صالح کا مفہوم بہت وسیع ہے اس کے اندر انسانی اعمال خیر کی تمام جزئیات داخل ہیں تاہم اس ضمن میں لفظ عبادت کو بڑی وسعت حاصل ہے عبادت سے مراد عام طور پر چند مخصوص اعمال سمجھے جاتے ہیں، لیکن یہ عبادت کا مفہوم نہیں بلکہ اس کی اصل حقیقت عاجزی و درماندگی کا اظہار اور خدا کے سامنے اپنی بندگی و عبودیت اور تسلیم کامل کو اعمال کے پیکر میں پیش کردینا حقیقی عبادت ہے۔

اسی بناء پر صحیفۂ محمدی کی زبان میں عبادت بندہ کا ہر وہ کام ہے جس سے اسکی بندگی کا اظہار اور اس کے احکام کی اطاعت ہو۔ لیکن اگر کوئی انسان بظاہر کیسے ہی اچھے سے اچھا کام انجام دے لیکن اس کا مقصد بندگی اور اطاعت نہیں ہے تو وہ عبادت نہ ہوگا۔ اس حقیقت کو حضور نے یوں ارشاد فرمایا ہے "انما الاعمال بالنیات" یعنی اعمال کا ثواب و اجر نیت پر موقوف ہے۔ تعلیم محمدی کی اس نکتہ رسی نے عبادت کو دل کی پاکیزگی اور عمل کے اخلاص کی غرض و غایت بنادیا ہے۔

حضورؐ کے ارشاد کے مطابق اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم ہے۔

۱۔ توحید و رسالت۔ ۲۔ نماز ۳۔ روزہ ۴۔ زکوٰۃ ۵۔ حج۔

ان عبادات کی حقیقت بھی خود سپردگی، قناعت، و خود فراموشی ہے نماز کیا ہے؟ — اپنے دل ہاتھ پاؤں کو اپنے خالق کے سامنے بندگی اور عبودیت کا اظہار ہے۔ یہ اپنے آقا کے حضور جسم و جان کی بندگی ہے۔ اندرونی احساسات کا عرض نیاز ہے۔ یہ ہمارے دل کے ساز کا فطری ترانہ ہے۔ بے قرار روح کی تسکین مضطرب قلب کی تشفی اور مایوس دل کی دوا اور فطرت کی آواز ہے یہ زندگی کا حاصل اور ہستی کا خلاصہ ہے کہ اس کے ایک سجدہ سے روح زمین کانپ جاتی ہے۔ زکوٰۃ کا مرکزی مقصد بھی گناہ اور دوسری روحانی و قلبی برائیوں سے پاک صاف ہونا ہے۔ دل کی پاکی۔ روح کی صفائی، نفس کی طہارت، مذہب کی اصل غایت اور نبوت کا اصل مقصد ہے اور اس پر عمل سے انسانی نفس کے آئینہ کا سب سے بڑا زنگ جس کا نام مال محبت ہے، دل سے دور ہوجاتا ہے۔ اور اس فیض کی ادائیگی کی خوبصورتی اخفاء اور انکار ذات کی صورت میں یہ بتلائی گئی ہے کہ اگر ایک ہاتھ سے دیا جائے تو دوسرے کو خبر نہ ہو۔

روزہ بھی انسان کی حرص و ہوا، خواہشات و ترغیبات کو حکم الٰہی اور رضائے الٰہی کے لئے فنا کردینے اور تحلیل کر دینے کا دوسرا نام ہے جس کے نتیجہ میں تقویٰ، صبر، و ثبات، اخلاص، شکر و ایثار جیسے اوصاف حمیدہ اس کا طبعی اور منطقی نتیجہ بن کر سامنے آتے ہیں

حج عبادت بدنی بھی اور مالی بھی جہاں خیالات کی پاکیزگی، و طہارت اور دل کی نورانیت اور سچی تڑپ اور سوز دروں کے ساتھ مال و متاع کی اہمیت سے انکار اور راہ خدا میں اس کو قربان کر دینے کا والہانہ جذبہ سرشاری و سرمستی کی ایسی کیفیات کا نام ہے جو صحیح معنوں میں انسان کی ظاہری و باطنی ترقیات کی معراج اور اس کی اوج کمال کا نقطۂ عروج ہوتا ہے۔

حج — حضرت ابراہیمؑ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے اللہ کے حکم کے سامنے تسلیم و رضا کے اس مظاہرہ کو تازہ کرتا ہے جو ہزاروں برس پہلے ہوا تھا۔ کہ ملت ابراہیمی کی حقیقت قربانی ہی ہے۔

متاع کی قربانی، روح اور دل کی قربانی تمناؤں اور آرزوؤں کی قربانی اس اندرونی نقش کا ظاہری عکس ہے جو جانوروں کی قربانی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے جو اسی خورشید حقیقت کا ظل مجاز ہے۔

حج — اپنی ان صفات و کیفیات انوار و تجلیات، سرشاری و فدائیت، سوز و گداز دعا و مناجات کے ساتھ نماز بھی ہے صبر و تحمل و خواہشات پر غلبہ کے ساتھ روزہ بھی ہے — ایثار و مال، و متاع کی قربانی کے ساتھ زکوٰۃ بھی ہے اور توحید ربانی کا سب سے بڑا مظہر بھی، جہاں بندہ سارے رشتے و علائق و ساری وفاداریاں اور رشتہ داریاں بھول کر جغرافیائی حدود اور بندھنوں کو توڑ کر صرف ایک رشتۂ الفت و محبت قائم کرتا ہے۔ اور وہ ہے، خدا کے ساتھ وفاداری و محبت کا رشتہ جب وہ مکہ معظمہ میں خانہ کعبہ کا طواف کرتا ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان دیوانہ وار سعی کرتا ہے۔ منیٰ و عرفات و مزدلفہ کے میدانوں میں توحید کا جذبۂ صادق پیش کرتا ہے، تو رحمت خداوندی پکار اٹھتی ہے کہ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

ایسے پُر نور و پاکیزہ ماحول میں جب کہ تجلیات ربانی و فیوض رحمانی کے سوتے ابل رہے ہوتے ہیں فیضان محبت و عرفان محبت کی سرشاری میں دنیا بھر کا مسلمان زندگی بھر کی محرومی و مایوسی نامرادی ناکامی اور بخت سیاہ کو خوش طالعی و فیروزمندی میں بدل دینا چاہتا ہے تو ایسے قیمتی و بتبرک لمحات میں کسی ایسے فعل یا عمل کا ارتکاب جو اس روحانی عمل کو مکدر کر دے نہ صرف حج بلکہ پورے اسلامی سلسلۂ عبادات کی روح کو مجروح کر دیتا ہے۔

مہمات الصرف والنحو

تصنیف:- حضرت مولانا سید محمد عبدالغفار ضیا نگرامی ندوی قادری مجددی

۲۰×۳۰ سائز کے ۲۲۴ صفحات اور ۱۲۲۔ اسباق پر مشتمل آسان اردو میں عربی صرف و نحو کے، جملہ قواعد مع ان کے اردو اور عربی کے مثالی نمونوں کی ترکیب نحوی کے نقشوں پر حاوی۔ جامع اور مبسوط کتاب (رائے گرامی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا کو جن کی علمی رفاقت اور ہم درسی کا کاتب سطور کو شرف حاصل ہے) عربی زبان کے قواعد کی تعلیم صرف و نحو کی تسہیل، اور اس کی تعلیم کی صلاحیت و شوق پیدا کرنے کا شروع سے ذوق، جذبہ اور ملکہ حاصل رہا ہے اور انہوں نے صرف و نحو کے متعدد کامیاب اساتذہ و معلمین تیار کئے انہوں نے مولانا سے یہ فن بطور خاص حاصل کیا اور وہ اپنے اپنے تعلیمی حلقوں میں کامیاب استاذ ثابت ہوئے اور طلباء کی ایک کثیر جماعت نے ان سے استفادہ کیا اب مولانا نے مناسب سمجھا کہ وہ اپنے تعلیمی تجربوں اور مشوروں اور صرف و نحو کی درسی کتابوں کے نکات کو تحریری طور پر منضبط کردیں۔ اور کتابی شکل میں مدرسین کے لئے ان کو محفوظ کردیں۔ یہ ایک سعی محمود ہے جس پر ہم نہ صرف مولانا کو بلکہ اس فن کے مدرسین کو مبارکباد دیتے ہیں۔

(رائے گرامی حضرت مولانا محب اللہ ندوی ایم اے علیگ مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نظر کتاب بلا شبہ اپنے "سہل الحصول و سریع الوصول" طرز میں بے مثال ہے اور یقیناً اس کی مستحق ہے کہ مدارس عربیہ اس سے مستفید ہوں۔ اپنے نصاب میں داخل کریں اور مولانا کی ہدایت کے بموجب طلبہ کو پڑھا کر خاطر خواہ کامیابی حاصل کریں، میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو قبول فرمائے اور کتاب و سنت کو پڑھنے اور سمجھنے کا قابل اطمینان وسیلہ بنائے۔

کاغذ عمدہ، طباعت عکسی، رنگین خوبصورت کور۔ قیمت -/۶۰ روپئے۔ اساتذہ اور کتب فروشوں کے لئے رعایت ۲۵ فیصدی۔ طلباء کے لئے براہ راست خرید پر رعایتی قیمت ۵۰ روپئے۔

ملنے کا پتہ:- کامل برادرس — ۲ رحمانیہ مارکیٹ، سیتاپور روڈ لکھنؤ ۲۲۶۰۰۰

نائیجیریا پر اسلام کا فیض ابر کرم

ڈاکٹر سید احتشام ندوی
پروفیسر و صدر شعبۂ عربی، کالی کٹ یونیورسٹی۔ کیرالا

اسلام کی صدائے حق وادئ بطحا سے اٹھی تو اس کی آواز بازگشت سارے عالم میں گونجی۔ اس کے فیض سے قوموں اور ملکوں کی تقدیریں بدل گئیں۔ جہالت کا اندھیرا، تہذیب و تمدن کے اجالے سے دور ہوگیا۔ اسلام نے اخلاق فاضلہ کا درس دے کر اور علم کا پیغام پہونچا کر ساری انسانیت میں ایک انقلاب برپا کر دیا اور ان قوموں کو جو جہالت اور بربریت میں مبتلا تھیں اعلیٰ اقدار حیات کا حامل بنادیا۔

جو خود راہ پر نہ تھے، اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کردیا

ایشیا کی طرح افریقہ کے ساکنوں نے بھی اس ابر کرم سے فیضان حاصل کیا۔ آج چار دانگ عالم میں اذان کی صدائیں مساجد کے میناروں سے بلال حبشی کی یاد دلاتی ہیں رنگ و نسل کے فرق پر ضرب کاری لگاتی ہیں اسلامی نظریات نے آج بھی سارے عالم میں ایک غلغلہ پیدا کر دیا ہے ان کے اندر خود طاقت ہے۔ اسلام کی بنیاد صداقت اور طاقت ور فلسفۂ حیات پر ہے اسلام نے افریقی قوموں کو اپنے اعلیٰ اور فطری اصولوں سے متاثر کیا۔ دراصل افریقہ ایک اسلامی براعظم ہے جس کی ۶۰ فیصدی آبادی مسلم ہے۔ اسلام کا دھارا مصر سے بہا اور نائیجیریا پر آکر رک گیا۔ افریقہ کی جن قوموں نے اسلام قبول کیا آج بھی ان کی زندگی میں اعلیٰ انسانی قدروں کے جوہر موجود ہیں جو مغربی تعلیم یافتہ قوموں کے لئے باعث رشک ہیں۔

یہ اثرات اتنے دور رس ہیں کہ انہوں نے مغربی زندگی کی قدروں کو ناکام بنادیا ہے اور اسلامی تہذیب کی عظمت کا نقش دلوں پر بٹھا دیا ہے۔ نائیجیریا میں مغربی تہذیب کے تلاطم نے اسلام کے تہذیبی اقدار کو درہم برہم نہیں کیا۔ افریقی قوموں میں اسلامی تہذیب پوری طرح رچ بس گئی ہے اس سلسلہ میں آج میں اس علاقہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو قدیم زمانہ میں ملک تکرور کے نام سے موسوم تھا اب اس کا نام "نائیجیریا" ہے۔ یہ نام ایک انگریز گورنر جنرل لُنے رکھا جو دریائے نائیجر کی طرف نسبت ہے۔ عرب موجودہ سوڈان کو سوڈان شرقی اور مغربی افریقہ کے ممالک کو جن میں نائیجیریا بھی شامل ہے سوڈان غربی کہتے تھے۔ ان ممالک میں چاڈ، مالی، گھانا، اپر وولٹا، نائیجر نائیجیریا، کامرون اور دوسرے ممالک شامل ہیں۔ ان تمام ممالک پر اسلام کی چھاپ ہے۔

نائیجیریا میں رہ کر میں نے اسلامی اقدار زندگی کی عظمت محسوس کی۔ میں نے دیکھا کہ ایک ایسا ملک بھی اس ناپاک دنیا میں موجود ہے جہاں چوری کم نہیں ہوتی، ڈاکے نہیں پڑتے قتل و غارت و دنگے فساد، جلوس و احتجاج، اسٹرائک اور غنڈہ گردی غرض کچھ نہیں۔ ہر طرف امن کا بول بالا ہے جس طرف دیکھئے اجالا ہے۔ گھر ایسے بنائے گئے ہیں، گویا نفافے ہیں جو چاہے دن دھاڑے گھس آئے مگر نہ کوئی آتا ہے اور نہ کوئی واقعہ پیش آتا ہے۔

یہ اسلامی تہذیب کی دین ہے اسی نائیجیریا میں مسلم علاقوں میں امن کا یہ حال ہے مگر عیسائی علاقوں میں قتل و غارت عام ہے اور جو بدامنی بھی مسلم علاقوں میں ہوتی ہے وہ سب جنوب کے عیسائی آکر کرتے ہیں۔ جنوبی صوبوں میں زندگی نہایت مخدوش ہے کہ کوئی شخص کسی کو قتل کر سکتا ہے لاگوس میں جرائم نہایت وسیع پیمانہ پر ہوتے ہیں زندگی محفوظ نہیں۔ مگر اسی ملک میں شمالی نائیجیریا میں ہر طرف امن کا دور دورہ ہے شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں دو برس دو ماہ میں صحارا ہی کے قریب ایک شہر مدیجیر میں رہا۔ شہر سے دو میل بیابان علاقہ میں کالج کیمپس واقع ہے۔ میرا گھر بالکل آخر میں تھا۔ میں نے پرنسپل صاحب سے کہا کہ رات کو ایک شخص برآمدہ میں آیا تھا میں بہت خوفزدہ ہوگیا۔ انہوں نے بڑا تعجب کیا اور بولے کہ آج تک یہاں کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔ پھر پوچھا کہ وقت کیا تھا میں نے کہا کہ ۲ بجے تھے تب وہ مسکرائے اور بولے کہ چوکیدار آکر برآمدہ میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔

میں نے کالج کے ایک استاذ سے کہا کہ بڑا اچھا ہے کہ مسلمان انگریزی پڑھ رہے ہیں وہ بہت خفا ہوئے اور بولے کہ ہماری زندگی اور ہمارا معاشرہ اتنا پاک اور پرامن تھا کہ زندگی جنت تھی اب مغربی تعلیم طرح طرح کی برائیاں اپنے ساتھ لارہی ہے۔ جرم، بدامنی، چوری، ڈاکے پھیل رہے ہیں۔ جوا۔ شراب، بار، سب اسی تہذیب کی دین ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ نائیجیریا کے بڑے شہر تو عیسائیوں کی وجہ سے امن سے محروم ہوچکے ہیں۔ وہ منظم ڈاکے مارتے ہیں مگر دیہات و قصبات امن و عافیت کے گہوارے ہیں۔ گاؤں کے امن کا تو یہ عالم ہے کہ لوگ غلہ گھر کے اندر نہیں رکھتے۔ گاؤں نائیجیریا میں صرف پھوس کے گھروں پر مبنی ہوتے ہیں یا کچے مکانوں پر ہر جگہ لکڑی پر پھوس کی بنی چھوٹی چھوٹی جھونپڑی نظر آتی ہے۔

مجھے بڑی فکر تھی کہ معلوم کروں کہ گھروں کے علاوہ یہ چھوٹی چھوٹی، جھونپڑیاں کیسی ہیں جن میں انسان تو رہ نہیں سکتے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ اناج کے ذخیرے ہیں۔ گاؤں والے اناج اپنے گھر میں نہیں رکھتے۔ گھر سے باہر پھوس کی گول کوٹھری بناتے ہیں اور اس کو لکڑی کے چبوترے پر رکھتے ہیں اور اسمیں سال بھر کا اناج ذخیرہ کر دیتے ہیں۔ کوئی شخص اناج چراتا نہیں۔

نائیجیریا کی معاشرتی زندگی خالص اسلامی ہے جب کوئی کسی کے گھر جاتا ہے تو نہ دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور نہ آواز دیتا ہے بلکہ تین بار السلام علیکم کہتا ہے بالکل ارشاد نبوی کے مطابق جو کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

حسن اخلاق تو نائیجیریا پر ختم ہے ہر شخص دوسرے کو سلام کرتا ہے۔ کار روک لیتا ہے۔ راستہ دریافت کرو تو پوری مدد کرتا ہے۔ جب کسی سے ملاقات ہو تو دونوں اصحاب آپس میں سلام و کلام ایک مخصوص و مقررہ الفاظ سے کرتے ہیں وہاں السلام علیکم و رحمۃ اللہ تعالیٰ و برکاتہ کا رواج ہے۔ فقط تعالیٰ کا رواج ہندوستان میں نہیں۔ عربی الفاظ نائیجیریا آخری اعراب کے ساتھ ادا کئے جاتے ہیں مثلاً عبداللہ ہم لوگ آخری حرف کو ساکن کہتے ہیں مگر وہ کہتے ہیں عبداللہ Abdullahu ہ کے زیر کو ظاہر کرتے ہیں۔ اسی طرح ناموں میں اول، ثانی، ثالث، رابع، خامس، سادس، سابع، ثامن اور تاسع تک بچوں کے نام رکھتے چلے جاتے ہیں۔ ایک طالب علم کا نام تھا تاسع لا رابع Taasiu Raabiu میں نے پوچھا یہ کیا نام ہے وہ بولا کہ تاسع (نواں) نام میرا ہے کیونکہ میں اپنے والد کی نویں اولاد ہوں اور رابع میرے باپ کا نام ہے۔

سلام کا طریقہ بڑا دلچسپ اور بہت پُرتکلف ہے۔ اگر صبح کا وقت ہے تو آنے والا شخص کہے گا۔

برکت الصبح

اگر شام کا وقت ہے تو کہے گا

برکت الماں۔

مگر ساتھ ہی عربی کا انداز صباح الخیر اور مساء الخیر کا رواج بھی پوری طرح ہے۔ ہر شخص "شنو" کہتا ہے اس کا جواب بھی شنو ہے یعنی سلام پہلا شخص دوسرے سے کہتا ہے۔

ویساکونہ — نیند کیسی آئی!

دوسرا شخص جواب دیتا ہے۔

لاغیا (عافیت)

پہلا شخص:

گدا لاغیا (گھر میں عافیت ہے)

دوسرا کہتا ہے:۔ لاغیا (عافیت)

پہلا شخص:

بالا لاغیا (بیوی عافیت سے ہیں)

دوسرا شخص:۔ لاغیا (عافیت)

پہلا شخص:۔ باگجیا (تھکے تو نہیں ہیں)

دوسرا شخص:۔ باگجیا (نہیں تھکا ہوں)

یہ سلام کلام اور بہت سے جملوں کے بعد ختم ہوتا ہے۔ معاذ اللہ پہلا شخص تو معاذ اللہ دوسرا بھی دوہراتا ہے تو معاذ اللہ۔ مگر انگریزی کے اثرات کی وجہ سے "د" "ڈ" بن جاتا ہے اور "ت" "ٹ"۔

نائیجیریا کے اسلامی معاشرہ میں اپنے سے بڑوں کی عزت انتہا پر ہے قاعدہ یہ ہے کہ اگر چپراسی کوئی خط لائے گا تو میز کے سامنے آکر بیٹھ جائے گا پھر بڑے اہتمام سے تھیلی

پر رکھ کر خط دیگا۔ اگر پرنسپل باہر نکلیں اور طلبہ کھڑے ہوں تو سب عزت کرنے کے لئے رکوع میں چلے جائیں گے۔ اگر طلبہ کسی مسئلہ میں گفتگو کرنے آئیں تو سب کے سب زمین پر اکڑوں بیٹھ جائیں گے۔ اگر کوئی طالب علم کسی بڑے آدمی سے گفتگو کرنا چاہتا ہے تو وہ زمین پر اکڑوں بیٹھ کر گفتگو کرے گا۔

البتہ یہ دیکھ کر خوشی ہوتی ہے کہ ہر جلسہ کا آغاز تمام تعلیمی اداروں میں تلاوت کلام پاک سے ہوتی ہے اور ہر جلسہ ختم دعا پر ہوتا ہے۔ ہر اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں مساجد حکومت کے پیسے سے بنائی گئی ہیں۔ طلبہ کے لئے نماز لازمی ہے۔ لڑکوں کے اسکول الگ ہیں اور لڑکیوں کے الگ ہیں مگر یونیورسٹی سطح پر مخلوط تعلیم ہے۔

ایک اجنبی کو جو چیز متاثر کرتی ہے وہ نائیجیریا کا مسلم لباس ہے۔ جو تصور رکھتا تھا کہ شیروانی ایک ایسا مغلیہ دور کا نفیس لباس ہے جو اسلامی تہذیب کی ترجمانی کرتا ہے اور طویل ہے مگر نہ اتنا جتنا عربوں کا لباس ہے اور نہ چھوٹا۔ نائیجیریا جا کر ایک نئے اسلامی لباس کا تجربہ ہوا۔ یہ لوگ پائجامہ پہنتے ہیں مگر کبھی یہ پائجامہ رنگین ہوتا ہے کرتا، پائجامہ اور اس کے اوپر ایک بہت ڈھیلا ڈھالا شیروانی نما لباس پہنتے ہیں اس کو "بیارگا" کہتے ہیں اس پر خوبصورت کڑھائی ہوتی ہے کناروں پر اور کٹ سے پر اس کی دونوں آستینیں کھلی ہوتی ہیں۔ سلی نہیں ہوتیں۔ بیارگا ۸ گز میں بنتا ہے جبکہ شیروانی چار گز کپڑے میں۔ بیارگا اکثر بشرٹ اور پینٹ کے اوپر لوگ اکثر پہن لیتے ہیں۔ اور انگریزی لباس اسمیں بالکل چھپ جاتا ہے۔ لوگوں کے قد یہاں لمبے ہوتے ہیں اور اس کے اوپر یہ لباس پہن کر خوب بھاری بھرکم معلوم ہوتے ہیں۔ ٹوپی یہاں ایک بڑا فن ہے بڑی گراں ملتی ہیں

اور یہ پیشہ ٹوپی سازی کا بہت مقبول ہے ٹوپیاں گول ہوتی ہیں اور نہایت اونچی لکڑی کے گول گول سر بنا کر اسمیں کپڑے کو چڑھا کر کشیدہ کاری کی جاتی ہے۔

عورتوں کا لباس یہاں بڑا غیر اسلامی ہے۔ بہت سی مسلم عورتیں شادی سے قبل بلا آستین کا جمپر پہنتی ہیں اور بعض جمپر ایسے ہوتے ہیں کہ دو پٹیاں آگے اور دو پیچھے لگا کر مونڈھے اور پستان تک کھول دیتے ہیں۔ بڑا مکروہ لگتا ہے مگر عام لباس دوپٹہ موٹے کپڑے کا اور اسی کپڑے کا جس کا جمپر ہو۔ نہیند گر کڑھا ہوا یا رنگین۔ ٹیکا کمربند اور طویل ہر عورت اور ہر لڑکی کمر پر دو ڈھائی گز کا پٹکا باندھتی ہے۔ عورتیں اپنے بچوں کو بھی اسی پٹکے کے کپڑے سے اپنی پیٹھ پر باندھ لیتی ہیں۔ مغربی لباس نائیجیریا میں مسلمانوں میں حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

اس اسلامی دیس میں عربی زبان کا بول بالا ہے عربی کتابیں دیہاتوں تک میں بکتی ہیں اور سب مصر و بیروت کی چھپی ہوئی۔ عربی بولنے والے بازاروں سڑکوں پر منڈیوں اسکولوں اور کالجوں میں مل جاتے ہیں۔ غرض ہر جگہ عربی کے اثرات نمایاں ہیں۔

اسلام کی شان اس دیار میں یہ ہے کہ ہر معزز شخص حاجی کہہ کر مخاطب کیا جاتا ہے۔ خواہ وہ حاجی نہ ہوں۔ یہ لوگ مکہ معظمہ کثرت سے جاتے ہیں۔ وہ حاجی نہیں کہتے بلکہ الحاجی کہتے ہیں۔ الحاجی بسا اوقات کثرت استعمال سے الدجی ہو جاتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اسلام کی چاندنی پوری آب و تاب سے اس ملک پر ضو فشانی کر رہی ہے

"داتا آباد رکھے ساقی تیری محفل کو"

رمضان المبارک ۔ نظام العمل

فضیلت کے اعتبار سے ساری عمر کے روزے بھی رمضان کے ایک روزے کا بدلہ نہیں ہو سکتے۔ اور روزے کو اللہ تعالیٰ کے پاس مقبول اور سفارشی بنانے کے لئے حسب ذیل اعمال مفید بلکہ ناگزیر ہیں۔

۱۔ **نماز باجماعت کا اہتمام**: کہ جماعت کا ثواب کم از کم ۲۷ درجے ہوتا ہے اور رمضان میں مزید ۷۰ گنا۔

۲۔ **تراویح کا التزام**: کہ دن کا روزہ اور رات کی تراویح لازم و ملزوم ہیں اور اس کا ترک گناہ ہے۔

۳۔ **تلاوت قرآن کی کثرت**: کہ یہ اسی محترم مہینے میں نازل ہوا اور محشر میں مقبول سفارشی ہوگا۔

۴۔ **دعاؤں میں زیادتی**: خصوصاً افطار کے وقت جس میں جنت کی طلب ہو اور جہنم سے پناہ۔ نہ صرف اپنے لئے بلکہ ساری امت کے لئے۔

۵۔ **نوافل کی ادائی**: کم از کم تہجد اور اشراق چاشت، اوابین وغیرہ کہ رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر ہو جاتا ہے۔

۶۔ **ذکر میں مشغولیت**: کہ یہ نسخہ ہے کم خرچ بالانشیں۔ مثلاً کلمہ توحید استغفار درود شریف۔

۷۔ **صدقات میں اضافہ**: یعنی اقربا، مساکین اور دینی اداروں کے ساتھ تعاون، بہ شکل زکات، فطرہ، ہدیہ، ضیافت وغیرہ

۸۔ **قضا نمازوں کی فکر**: کہ سال تمام کے مقابلہ میں اس مہینے ان کا اہتمام آسان ہے خصوصاً شب قدر اور طاق راتوں میں۔

۹۔ **اعتکاف کا انتظام**: (آخری عشرے میں) کہ اس کا ثواب گمان سے بالاتر ہے اور اسمیں شب قدر کی تلاش بھی آسان ہے۔

۱۰۔ **متقی مصنفین کا مخلصانہ مطالعہ** کہ نیکی تاثیر انقلاب آفریں ہوتی ہے۔

۱۱۔ **دین کی دعوت کی محنت**: کہ یہ ہر امتی کی ذمہ داری ہے۔ اور اس ماہ مقدس میں لوگوں کے دل ذرا نرم بھی ہوتے ہیں۔

۱۲۔ **لغویات سے احتراز**: یعنی غیبت، جھوٹ، گالی، گیت، لڑائی کا منظر وغیرہ کہ یہ سب دیمک ہے۔ اور خاموشی میں ان سے نجات ہے۔ (حدیث بھی ہے: من صمت نجا۔

(ابن غوری) ململ گڑھ۔ اے۔ پی

بقیہ: دینی تعلیمی تحریک

پوری روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ ہندوستانی مسلمان پچھلے چالیس سال کی مدت میں جو رویہ اپنایا ہے وہ عبرتناک ہے۔ ذہنی طور پر وہ اپنی زبان اور اسلامی کلچر سے تقریباً دست بردار ہوتے چلے جا رہے ہیں جو ملت اس عبرتناک صورت

بے حسی کی تصویر پیش کرتا ہے اس کے سامنے مسائل پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ان پر قابو پانے کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔ مولانا نے اپنے موثر انداز میں فرمایا کہ ایک ڈوبتے والا شخص جس طرح اپنی جان بچانے کی کوشش کرتا ہے اور دیکھنے والے اسے منجدھار سے نکالنے کی جیسی کوششیں کرتے ہیں اس وقت

کے لئے اسی طرح کی کوششوں کی ضرورت ہے۔ تقریر کے آخر میں مولانا نے موثر ترین دعا فرمائی اور بار بار اس جملہ کو دہرایا کہ اس ملک میں دینی تعلیمی تحریک ملی تشخص کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کی پوری توفیق عنایت فرمائے اور وہ اس کی حقیقت کو سمجھیں۔ بنیادی ممبران نے دینی تعلیمی کونسل کے لئے دو نئے بنیادی ممبران اور مجلس عام ارکان کونسل کو کو آپٹ کیا۔ ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی سکریٹری کونسل نے تجویز پیش کی کہ مکاتب میں بچوں کے لئے یونیفارم رائج کیا جائے

جائے کہ وہ مقامی طور پر کونسل کی ہدایت کے مطابق اس کا انتظام کریں

اعلان

چیک سے رقم نہ روانہ کریں۔ صرف ڈرافٹ اور منی آرڈر سے رقم روانہ فرمائیں۔ ڈرافٹ سکریٹری مجلس صحافت ونشریات لکھنؤ کے نام بنا کر دفتر تعمیر حیات کے پتہ پر روانہ فرمائیں خریداری نمبر

حضرت سید احمد شہید کی تحریک کا اثر اردو ادب پر

ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیم جاں ہے زندگی

نوٹ: یہ مقالہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں منعقدہ سمینار نومبر ۱۹۸۶ء میں پڑھا گیا

از ——— ڈاکٹر فیضان اللہ فاروقی ——— شعبہ عربی: جواہر لال نہرو یونیورسٹی نئی دہلی

جریدہ عالم پر ثبت دوام پانے والے تسلیم جاں کو زندگی بلکہ حاصل زندگی سمجھنے والے چند ہمنفسان سوختہ جاں تعرفهم بسيماهم کی شان بے نیازی کے ساتھ عرفان و ہدایت کے تیشے ہاتھوں میں لئے شرک و بدعت کے سنگ گراں سے الجھے ہوئے ہیں۔ کاش اور اے کاش ہدایت اور رضا الٰہی کی جوئے شیر از سر نو جاری ہو سکے۔ تیشہ ٹوٹے گا یا خود وہ چور چور ہو جائیں گے۔ ان کے قافلہ سالار اول نے انہیں یہ فکر و اندیشہ سکھایا ہی نہیں انہیں تو بس اس کا یہ سبق یاد ہے کہ "یا تو اللہ کا کام پورا ہوگا یا میں اس راہ میں خود ہلاک ہو جاؤں گا۔

۵ مئی ۱۸۳۱ء اور آج ۱۲ نومبر ۱۹۸۶ء کے درمیانی عہد نے ہمیں کیا بتایا۔ کیا سکھایا اور کیا دیا۔ افسوس کہ غیر تو غیر ہم جوان ہمنفسان سوختہ جاں کی قدر کرتے ہیں، ہم جو کہ اپنا رشتہ تحقیق و بحث سے جوڑتے ہیں، ہم کہ صغری و کبری سے نتائج اخذ کرنا اپنا فن جانتے ہیں، ہم کہ حق و باطل میں فرق اور تائید حق ہی نہیں بلکہ شہادت حق فرض جانتے ہیں، ہم نے بھی تو اس سے آگے کچھ نہ کیا کہ چند تذکرے ریکارڈ کر لئے یا اگلوں کے لکھے ہوئے کو پڑھ کر اپنا قرض چکا دیا، حق ادا کر دیا۔

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
خیر اس نے تو بے وفائی کی

غیروں نے ان پر کیا ستم ڈھائے انکی تابناکیاں ظلمت کے تہ در تہ پردوں میں کس طرح ڈھا پیں۔ غلط فہمیوں کے کیسے کیسے جال بچھائے گئے ان کے کارناموں کو جو در حقیقت ہندوستان کے اسلامی تاریخ کے سنہرے مثال ہیں انہیں کیا مکروہ اور بھیانک رنگ دینے کی کوششیں کی گئیں۔ اور اب اس کا رد عمل سارے عالم پر کیا ہے اور

اسپر کون غم کرے گا۔ اور اس کے لئے کیسے آمادہ پیکار ہوتا ہے؟ کیا وہ خود اٹھ کر آئیں گے جو هم‌ نوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا" کی سند حاصل کر چکے ہیں۔ تب نہ اگر" والذين جاؤا من بعدهم کی صف میں شہ سوار نہ سہی غبار کارواں بن کر بھی ہم شامل ہو گئے تو یہ ایک عظیم سعادت ہوگی اور آئندہ نسلوں کے لئے یہ غبار کیا عجب کہ کحل البصر بن جائے۔

ادب کیا ہے یہ ادیب جانیں، اثر کیا ہے منفعل سمجھے تحریک کیا ہے محرک یا متحرک اس کی تحلیل فرمائے گا۔ ہم نے تو آپ صاحب تصنیف و تقریر حضرات سے صرف یہ سنا ہے کہ جو چیز دل کو لگ جائے یا تو تیر ہوگا یا زبان سے نکلا ہوا لفظ۔ یہ دل بھی عجیب چیز ہے۔ کوئی اسے وجدان و شعور بتاتا ہے۔ کوئی مہبط انوار الٰہی بتاتا ہے۔ کوئی اسے احساس و جذبات کی دنیا کا آباد کار اور روح رواں قرار دیتا ہے۔ حقیقت خواہ کچھ بھی ہو اتنا تسلیم کر لینا چاہیئے کہ نشاط و جذبات، حزن و یاس احساس و شعور وغیرہ کا کوئی نظام اس کا نام جسد بشری میں ایسا ضرور ہے جو پورے نظام کو اپنے تابع رکھتا ہے۔ ایسا نہ ہوتا تو ایک ڈاکٹر خود اپنے بیٹے کی موت پر بر موت کا سرٹیفکیٹ دے کر اسی طرح مطمئن ہو کر آگے بڑھ جاتا جیسے کہ اس سے پہلے دوسرے مریضوں کے ساتھ کرتا آیا ہے لیکن یہ دیدہ گریاں اور سینہ بریاں یہ شورش جذبات اور وہ آہ و بکا صاف بتاتے ہیں کہ موت کے سرٹیفکیٹ کا تعلق صرف عقل سے تھا اور یہاں بات دل پر آ پڑی ہے۔ اکبر ہندوستان کا عظیم شہنشاہ تھا۔

ثالثہ کے برابر ہوتا ہے اسے عقل تسلیم کرتی ہے اور بس آہ ہے نہ واہ۔ لیکن

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

الفاظ کے اس مجموعے کو سنکر ہم کیوں بھڑک اٹھے۔ صرف اس لئے کہ اس مجموعۂ الفاظ کا تعلق پہلے جملوں کی طرح عقل و فکر سے نہیں جذبات و شعور سے ہے یہ دل سے نکلی ہوئی آواز ہے اسے دل دل تک پہونچنا ہے۔ دل سے نکلنے کے کچھ شرائط ہوتے ہیں اور دل تک پہونچنے کے بھی کچھ آداب۔ اس کی تفصیل نقد ادب کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

مختصر یہ کہ گرمیٔ جذبات اور طپش دروں نہ ہو تو فکر و خیال کی صہبا ممکن ہے آبگینہ گداز ہو لیکن دل گداز ہو نا ضروری نہیں۔ دل گدازی کے لئے فکر و احساس کو غم دیگراں کی وہ کیفیت درکار ہے۔ کہ وادیٔ نجد کی بادِ سموم کے تصور سے باغ عدن میں ہوتے ہوئے بھی دل کی کلی کمہلا رہی ہو۔ اور مراز تخت مصر کی خوشبو میں کنعان کی آتش قحط کے تصور سے خاکستر ہوتی نظر آئیں۔ اور جب غم دیگراں کا تعلق عذاب جحیم کی مستحق عارضی طور پر مامون کرۂ ارض پر بسی ہوئی بے غم فکر پاک نسل انسانی سے ہو تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کہنے والے کے جذبات دروں اور درد پنہاں کی کیفیت اثر کی کن حدود کو چھو رہی ہوگی۔ ایسے میں دل سے جو کچھ نکلے گا اس کے اثر کا کیا حال ہوگا۔ اسکی شہادت نزول قرآن کریم سے لیکر آج تک ہر دور میں ہر جگہ ملتی رہی ہے اور ملتی رہے گی۔ ولو کرہ الکافرون

ماضی قریب میں اس کی مثال امام ربانی سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک جہاد میں ہمیں ملتی ہے۔ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اتباع میں صحابہ کرامؓ نے عرب جاہلیت کے مسجع مقفیٰ ذوق کے خلاف سیدھی سادی عبارت عام فہم لیکن انتہائی بلیغ حسب حال الفاظ کے استعمال کو اپنی دعوت و تبلیغ کا ذریعہ بنایا تاریخ نے نوٹ کیا کہ یہ ادب اپنی شدت تاثیر میں ما تقدم و ما تاخر دونوں کو پیچھے چھوڑ گیا۔ بات صرف مقصد کی بلندی، صدق نیت اور اخلاص و درد کی تھی۔ آپ زبان کے خارجی عناصر کو بھی اسمیں شامل کر لیں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں یقیناً ادیب کی

قابل لحاظ ہیں لیکن مجھے عرض کرنے دیں کہ جذب باطن درد دروں کی کارفرمائی اثر اندازی کے تمام عوامل سے زیادہ موثر اور مہتم بالشان ہے۔ میرا تو یقین ہے کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش بھی رہتے تو وہی اثر ہوتا جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر سے ہوتا تھا آپ کے الفاظ سے ہوتا تھا۔ دل دریا کو تلاطم میں لانے کے لئے صدق دگر کی صدق نیت اور گو ہمیت شرط ہے۔ نہ کہ وجود محض۔ قرآن کریم کا ادب اور اسلوب اپنی الگ ایک شان رکھتا ہے۔ یہاں بات ہو رہی ہے قرآن چشیدوں کی۔

امام العصر حضرت سید احمد شہید جس مقصد اعظم اور شرف اکبر کے حصول کی خاطر سر بکف ہو کر باہر نکل آئے تھے۔ اس کا تعلق بھی کوہ صفا کی بلندیوں پر لگائی گئی پہلی صدائے دعوت الی اللہ سے تھا۔ اسلئے گرمیٔ جذبات اور طپش دروں کو عبارت آرائی اور خارجی ملمع کاری کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ آپ کی زبان سے نکلے ہوئے سیدھے سادے الفاظ بھی دلوں پر وہی اثر کرتے اور کرتا ہی تھا جو وقت کے بہترین ادیب اور مایۂ ناز قلم کار کی فکری جولانگاہ کی انتہا پر مرتب ہوتے ہیں۔ وجہ صرف یہ ہے کہ ادب کا مقصد حاصل ہے۔ یعنی دل کی نکلی ہوئی آواز دل تک پہونچ گئی۔ خواہ الفاظ کی تراش و خراش اور اسلوب و ادا کے ذریعہ یا صرف اس نعرۂ مستانہ کے ذریعہ جو پہاڑوں کو بھی لرزہ براندام کر دیتے ہیں۔ یہی حال اس شہید مشکور اور ان کے متبعین کی دعوتوں کا بھی تھا۔ ان تمام نے اردو کو اپنی دعوت کا ذریعہ بنایا۔ اور اس سے قطع نظر بے نیاز رہے کہ وہ ادب پیش کر رہے ہیں یا دلوں کو گرما رہے ہیں۔ بعد میں دیکھنے والوں نے دیکھا اور سننے والوں نے سنا کہ جو کچھ ان کے منہ سے نکلا خواہ مواعظ و خطبات کی شکل میں خواہ مکتوبات و رسائل یا مستقل تصنیفات کی صورت میں یہ سب اپنی اثر آفرینی اور سلاست بیان کی بنا پر بہترین ادب کہے جانے کے مستحق ہیں۔ حضرت سید احمد شہید پر لکھی گئی سب سے زیادہ مستند کتاب جسے مولانا غلام رسول مہر نے تصنیف کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے سوانح و وقائع نگاروں کے یہاں ایسی مثالیں بکثرت ملیں گی جنمیں اس مبارک

دینی تعلیمی تحریک ملی تشخص کا ذریعہ ہے

دینی تعلیمی کونسل میں مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی تقریر

لکھنؤ ۱۳ مارچ ۱۹۸۸ء۔ دینی تعلیمی کونسل کی مجلس عاملہ اور بنیادی ممبران کا جلسہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی صدارت میں ہوا جلسہ کا آغاز مولانا محمد تقی امینی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد کونسل کے سابق سکریٹری مولانا محمد ہاشم میاں فرنگی محلی مرحوم کی دینی ملی خدمات کا بھرپور اعتراف اور دینی تعلیمی تحریک کے ساتھ ان کے گہرے تعلق اور اس کے لئے انکی غیر معمولی جدوجہد کا ذکر کرتے ہوئے ایک تجویز تعزیت منظور کی گئی اور مولانا مرحوم کے لئے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کی گئی۔ کونسل کے جنرل سکریٹری ریاض الدین احمد سابق پرنسپل مجیدیہ اسلامیہ انٹر کالج الہ آباد نے اپنی مفصل رپورٹ میں ان تمام معاملات و مسائل پر روشنی ڈالی جو اس وقت تعلیمی میدان میں مسلمانوں کو درپیش ہیں۔ نئی تعلیمی پالیسی کے سلسلے میں منفی اور مثبت پہلوؤں کا ذکر کیا گیا۔ انجمن تعلیمات دین اضلاع سے اعداد و شمار فراہم کرنے کے بعد اس تشویشناک صورت حال کی نشاندہی کی۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ حالات میں دینی تعلیمی تحریک کے لئے مسلمانوں کے اندر ایسا جوش و حوصلہ اور کام کو تیز تر کرنے کی فکر نہیں ہے جو طوفانوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔ رپورٹ میں مستقبل کا لائحہ عمل اور کام کا مکمل خاکہ پیش کیا گیا اور طے کیا گیا کہ یہ رپورٹ کتابچہ کی شکل میں شائع کی جائے۔

ایک تجویز کے ذریعہ عربی مدارس کے ذمہ داران سے درخواست کی گئی کہ وہ دینی تعلیمی کونسل کی پرائمری دینی تعلیمی تحریک کو اضلاع میں تقویت دینے کے لئے ایک منصوبہ بنائیں۔ صدر کونسل مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے کہا کہ تمام عربی مدارس سے خصوصی طور پر رابطہ قائم کیا جائے اور ضرورت ہو تو وہاں چل کر ان سے گفتگو کی جائے۔

حکومت اتر پردیش کے بیسک ڈپارٹمنٹ کے الکارانہ ذریعہ۔ دخل اندازی پر غور کیا گیا اور طے ہوا کہ اس مسئلہ پر وزیر اعلیٰ اور وزیر محنت نیز وزیر تعلیم سے گفتگو کی جائے اور معروضات کو ایک مفصل میمورنڈم کی شکل میں پیش کیا جائے۔ ڈاکٹر محمد اشتیاق حسین قریشی سکریٹری کونسل نے حکومت کی منظور شدہ نصابی کتابوں کا جائزہ پیش کیا اور ممبران کو مطلع کیا کہ یہ کام ابھی زیر تکمیل ہے اور جلد ہی اسے مکمل طور پر شائع کیا جائیگا دینی تعلیمی کونسل اس سے پہلے بھی اس طرح کا ایک جائزہ شائع کر چکی ہے، جسے ظفر احمد صدیقی مرحوم نے تیار کیا تھا کچھ کتابوں میں ترمیم و تصحیح کی گئی لیکن اس وقت بہت سی ایسی کتابیں اسکولوں میں رائج ہیں جنمیں غیر اسلامی اسباق اور اس طرح کی تاریخ شامل کی گئی ہے جو ہندو طلبا کے ذہنوں میں مسلمانوں کی طرف سے شدید منافرت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ مذہبی طور پر ایسے خیالات پیش کئے گئے ہیں جو مسلمان بچوں کے ذہنوں کو غیر اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا ایک موثر ذریعہ ثابت ہوں گے۔ طے کیا گیا کہ اس طرح کا جائزہ مکمل ہونے کے بعد حکومت کی خدمت میں پیش کیا جائے اور یہ باور کرانے کی کوشش کی جائے کہ اس سے منافرت بڑھے گی اور قومی یکجہتی کا خواب چکنا چور ہو جائے گا۔

آخر میں صدر کونسل مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے بڑے دکھ کے ساتھ اس خطرناک اور تشویشناک صورت حال کا ذکر کیا کہ موجودہ حالات میں مسلمانوں نے دینی تعلیمی تحریک جیسے اہم ترین کام کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بنایا ہے اور وہ سنجیدگی کے ساتھ کوئی ٹھوس تعمیری کام کرنے کا مظاہرہ نہیں کرتے۔ مولانا نے افسوس کے ساتھ کہا کہ مسلمان نعرے لگا سکتا ہے جلوس نکال سکتا ہے اپنے سر دھڑ کی بازی لگا سکتا ہے لیکن خاموشی کے ساتھ وہ اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام اہتمام نہیں کر سکتا۔ یہ ایک ایسی خودکشی ہے۔ جس کے لئے خود مسلمان آمادہ بکمربستہ ہے۔ مولانا کی تقریر اور ان کے لب و لہجہ میں ان کا سوز دروں نمایاں تھا جب انہوں نے کہا کہ ملی ثقافتی تہذیبی اور دینی راستوں سے انحراف ہی نہیں بلکہ آگے چل کر یہ راہ ارتداد کی طرف جاتی ہے جس سے مسلمان بے خبر ہیں۔ مولانا نے اسپین کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یہ غلط فہمی ہے کہ اسپین کے مسلمانوں نے حالات کا مقابلہ نہیں کیا۔ اور بہت جلد انہوں نے شکست تسلیم کر لی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ وہاں کے مسلمانوں نے اسلامی کلچر اور اپنی رسم الخط کو بچانے کی بھرپور جدوجہد کی اور آسانی سے ہتھیار نہیں ڈال دیئے یہ تاریخ کا ایسا مخفی گوشہ ہے جس پر

(باقی ص ۱۲ پر)

تحریک پیام انسانیت کے بہی خواہوں سے ایک اہم گذارش

۱۶ مارچ ۱۹۸۸ء

گرامی قدر ________ السلام علیکم

ملک کے دن بدن بگڑتے حالات کے پیش نظر "پیام انسانیت فورم" کے مرکزی دفتر نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے حکم پر پیام انسانیت کی تحریک کو ملک میں تیز ترکرنیکا کا فیصلہ کیا ہے، اسی سلسلے میں آپ سے ایک طویل عرصے بعد رابطہ پیدا کیا جا رہا ہے۔

آپ واقف ہیں کہ اردو، ہندی، مراٹھی، انگریزی اور ملک کی دیگر زبانوں میں پیام انسانیت کا اچھا خاصا لٹریچر تیار ہو چکا ہے۔ اب ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اس کو غیر مسلم برادران وطن اور بالخصوص ان کے پڑھے لکھے طبقے کے ہاتھوں تک پہونچایا جائے۔ اس سلسلہ میں آپ سے صرف اتنی گذارش ہے کہ:

۱۔ آپ ملاقاتوں اور خط و کتابت کے ذریعے اپنے علاقے کے چندہ غیر مسلم افراد تک اس پیغام کو پہونچائیں۔

۲۔ اپنے علاقے کے ذمہ دار غیر مسلم حضرات کے نام، پتے مع عہدہ جات اور عمر کے لکھنؤ کے مرکزی دفتر کو فوری طور پر ارسال فرمائیں۔

۳۔ آپ اپنے علاقے کا جائزہ لکھ کر بھیجیں کہ مستقبل قریب میں وہاں کوئی چھوٹا موٹا جلسہ یا کارنر میٹنگ اس پیغام کو غیر مسلموں تک پہنچانے کیلئے ترتیب دی جا سکتی ہے!!

۴۔ آپ اپنے علاقے کے اردو اخبارات سے بالعموم اور غیر اردو اخبارات سے بالخصوص ربط رکھیں، اور ان کے ذریعہ اس پیغام کی اشاعت کیلئے کوشاں رہیں۔ اور ان کے نام اور پتے دفتر کو ارسال فرمائیں۔

۵۔ مندرجہ بالا چار نکاتی پروگرام کے علاوہ آپ ہمیں لکھ کر بھیجیں کہ آپ اس پیغام کو غیر مسلموں میں عام کرنے کیلئے اور کیا کر سکتے ہیں!؟

مندرجہ بالا گذارشات آپ کی خدمت میں اس لئے پیش کی جا رہی ہیں کہ آپ کے علاقے میں آپ کی سماجی حیثیت مسلم ہے اور آپ کا حضرت مولانا کی ذات اور تحریک پیام انسانیت سے گہرا اور قلبی لگاؤ ہے، آپ یقیناً حضرت مولانا کے اس تاریخی اقدام سے بھی واقف ہوں گے کہ موصوف نے ۱۹۸۶ء سے غیر مسلم دانشوروں سے بالمشافہ ڈائیلاگ کا سلسلہ بھی شروع کیا ہے، اسمیں دہلی، ناگپور، پونہ اور اندور کے عظیم الشان اجلاس قابل ذکر ہیں۔ آپ سے گذارش ہے کہ آفس کے پتہ پر خط لکھ کر پیام انسانیت کے لٹریچر کو طلب فرمائیں تاکہ اس تحریک کو سمجھنے میں مزید مدد ملے۔

امید ہے کہ دفتر پیام انسانیت کو آپ فوری جواب سے نوازیں گے۔

فقط والسلام

آپ کا مخلص

اسحاق جیلانی ندوی (آفس سکریٹری)

سوال و جواب

محمد طارق ندوی

سوال:۔ آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنے سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں!؟

جواب: آنکھ میں سرمہ یا دوا ڈالنے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا، آنکھ میں ڈالی ہوئی دوا اور سرمہ کا رنگ و مزا کبھی حلق اور تھوک میں محسوس ہوتا ہے اور وہ مسامات میں ہو کر پہونچتا ہے، اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

سوال: کیا روزہ دار کسی چیز کا مزہ چکھ سکتا ہے۔ یا اس کو چبا سکتا ہے۔!؟

جواب: کسی چیز کا مزہ چکھنا یا اس کو چبانا مکروہ تنزیہی ہے۔ بشرطیکہ کسی عذر کی وجہ سے نہ ہو مثلاً کوئی عورت اپنے شوہر کیلئے کھانا پکاتی ہو اور اس کی بدمزاجی سے یہ خوف ہو کہ اگر نمک درست نہیں ہوگا تو وہ خفا ہوگا تو چکھنا درست ہے۔ اسی طرح سے کوئی چھوٹا بچہ ہو اور کوئی چیز اسکو کھلانا ہو، اور اس کا بدل نہ ہو تو ایسی صورت میں چبا کر بچہ کو دینے کی اجازت ہے بشرطیکہ حلق کے نیچے اس کا اثر نہ جائے۔

سوال: بھول کر کچھ کھا پی لینے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے یا نہیں!؟ دوسرے لوگوں کو یاد دلانا چاہیئے یا نہیں۔

جواب: کسی شخص کو روزہ کا خیال نہ رہا اس بنا پر اس نے کچھ بھی کھا پی لیا تو روزہ فاسد نہ ہوگا۔ خواہ فرض روزہ ہو یا نفل ایسی صورت میں اگر اسمیں روزہ رکھنے کی بھرپور قوت ہو تو دیکھنے والوں کو یاد دلانا واجب ہے۔ اور اگر اسمیں اتنی قوت نہ ہو تو یاد دلانا ضروری نہیں۔

سوال: غیر مسلم کے مال سے روزہ افطار کر سکتے ہیں یا نہیں!؟

جواب: غیر مسلم کے مال سے جب کہ اس نے اپنی خوشی سے دیا ہو یا افطار کی چیز اس سے قیمت دیکر خریدی ہو دونوں صورتوں میں روزہ افطار کرنا جائز ہے۔

سوال: کوئی شخص رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف توڑے تو اس پر قضاء لازم ہے یا نہیں!؟

جواب: جس دن اعتکاف توڑ دیا ہے فقط اسی دن کے اعتکاف کی قضاء روزہ کے ساتھ ضروری ہے۔ بقیہ دنوں کی قضاء ضروری نہیں اگر کوئی شخص احتیاطاً رمضان کے بعد پورے عشرہ کی قضاء مع الصوم کرے تو بہتر ہے۔

سوال: اگر کوئی شخص زبردستی معتکف سے باہر نکال دیا جائے تو اعتکاف قائم رہے گا یا نہیں!؟

جواب: اگر شخص زبردستی معتکف سے باہر نکال دیا جائے تو اعتکاف قائم نہیں رہے گا۔ مثلاً کسی جرم میں حاکم کیطرف سے وارنٹ جاری ہوا اور سپاہی اسکو گرفتار کر کے لے جائیں۔ یا کسی کا قرضدار ہو اور وہ اسکو باہر پکڑ کر لے جائے۔ یا کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے باہر نکلے اور قرض خواہ دہیں روک لے ان تمام صورتوں میں اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

سوال: کیا چھوٹی بچیاں گڑیا یا گڈے جو کہ (جاندار کی شکل) کے ہوتے ہیں کھیل سکتی ہیں یا نہیں اسی طرح چھوٹے بچے لکڑی یا پلاسٹک کے گھوڑے پر سوار ہوتے ہیں اور اس سے کھیلتے ہیں شرعاً درست ہے یا نہیں!؟

جواب: اس بارے میں علماء کے دو اقوال ہیں (۱) تصویر کی حرمت والی روایت سے بچوں کا گڑیوں سے کھیلنا مستثنیٰ ہے۔ (۲) حرمت سے مستثنیٰ نہیں۔ ان میں پہلا قول راجح ہے۔ لہذا بچے بچیاں ایسے کھلونوں یا گڑیوں سے کھیل سکتی ہیں جنمیں صورت پوری طرح ظاہر نہ ہو۔ جیسا کہ بچیاں خود اپنے ہاتھ سے گڑیاں بنایا کرتی ہیں ان میں صورت نمایاں نہیں ہوتی، ان کو جاندار کا مجسمہ نہیں کہا جا سکتا۔ ان سے کھیلنے میں کچھ مضائقہ نہیں حضرت عائشہؓ کا ایسی گڑیوں سے کھیلنا ثابت ہے۔

بقیہ: فضائل رمضان، ص ۳ کا

ہے وہ وتر کو امام کے ساتھ پڑھ سکتا ہے جو حافظ روپے کی طمع میں قرآن شریف سناتا ہے اس سے بہتر ہے کہ الم ترکیف سے پڑھائے۔ اگر اجرت مقرر کر کے قرآن مجید سنایا جائے تو نہ امام کو ثواب ہوگا نہ مقتدیوں کو۔ اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں سخت گناہ ہے۔ نابالغ کو تراویح میں بھی امام بنانا جائز نہیں حدیث و فقہ سے ایسا ہی ثابت ہے۔

اہل خیر حضرات سے.....

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین سیدنا محمد وآلہ وأصحابہ أجمعین

دارالعلوم ندوۃ العلماء محتاج تعارف نہیں ہے، اس کے قیام کو بفضلہ تعالیٰ اٹھانوے سال ہو گئے ہیں خدا کا شکر ہے کہ اس اثنا میں اس نے گراں قدر علمی اور دینی خدمات انجام دی ہیں عرصہ دراز سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کی توجہ اور سرپرستی حاصل ہے جن کے دور نظامت میں وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن گیا ہے اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور دینی زندگی کے لیے اس کے طلبہ، اساتذہ اور کارکنان حسب توفیق کوشاں ہیں۔

اس وقت دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ ملیشیا، تھائی لینڈ، جنوبی افریقہ، ترینداد، یوگنڈا، اور دوسرے ممالک کے طلباء بھی زیر تعلیم ہیں مختلف ملکوں سے برابر داخلے کی درخواستیں آتی رہتی ہیں، اللہ کے فضل سے عرب ممالک میں ندوۃ العلماء کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور وہاں کے طلباء میں اس کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی خواہش روز افزوں ہے، ان اسباب کی بنا پر داخلوں کی تعداد میں ہر سال غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے نئی اقامت گاہوں کی ضرورت پیش آ رہی ہے، اس کے علاوہ دارالعلوم کے مختلف شعبوں مثلاً دفاتر، اور مزید رہائشی سہولت کے لئے علیحدہ مستقل عمارتیں درکار ہیں،

رواق نعمانی کے مشرقی بازو کی تکمیل کے باوجود طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے ان کے قیام کے نظم میں دشواری سامنے آتی رہتی ہے خاص طور سے بیرونی طلبہ کے قیام کا کوئی مستقل نظم نہیں ہے، سرپرستوں کے قیام کی سہولت بھی موجودہ اقامت گاہوں کی تنگی کی وجہ سے ممکن نہیں ہو سکی ہے اس لئے مزید اقامت گاہوں کی تعمیر کی ضرورت باقی ہے۔

حضرات اساتذہ کرام کے لئے متعدد رہائشی مکانات کی تعمیر کے باوجود ضرورت باقی ہے، اس کو دیکھتے ہوئے مزید رہائشی مکانات تعمیر کرنا ہوں گے۔

پریس اور دفاتر کی عمارت:- پریس اور مختلف دفاتر کے لئے علیحدہ ایک عمارت بھی عرصہ سے زیر تجویز رہی ہے تاکہ دارالعلوم کی عمارت صرف تعلیمی اغراض ہی میں استعمال ہو، سارے درجات اسی میں رہیں، جگہ کی تنگی کی وجہ سے جو انتشار کبھی کبھی ہو جاتا ہے وہ ختم ہو جائے، چنانچہ اس عمارت کا نقشہ بھی منظور ہو گیا ہے اور اس عمارت کی تعمیر بھی ہونا ہے۔

معہد دارالعلوم:- دارالعلوم اور خاص طور پر معہد دارالعلوم میں باوجود وسعت کے تنگی محسوس ہونے لگی ہے، امسال کثیر طلبہ کو واپس کیا گیا ہے، اسی طرح دارالعلوم میں بھی بہت سے داخلے محض انہی مجبوریوں کی بنا پر نہیں کئے جا سکے یہ صورت حال ذمہ داران دارالعلوم کے لئے باعث فکر ہے اور محض جگہ کی تنگی کی وجہ سے شائقین علم دین کو واپس کرنا نیز مقیم طلبہ کی بڑھتی ہوئی دشواریاں اور ضرورتیں ان کی فکر و بے چینی میں مزید اضافہ کا باعث ہیں، علاوہ ازیں عمارتوں اور ضروری تعلیمی سامان کی کمی کی وجہ سے بہت سے مفید علمی و دینی منصوبے پوری توجہ و یکسوئی کے محتاج رہتے ہیں۔

جدید اعداد و شمار:- بسال رواں حفظ، ابتدائی، ثانوی، دراسات علیا اور مقامی مکاتب میں زیر تعلیم طلبہ کی ___ مجموعی تعداد ۲۹۰۰ ہے

ان گذارشات کے بعد آپ سے ہماری درخواست ہے کہ وقت کی اس اہم ضرورت اور دارالعلوم کی افادیت کو سمجھتے ہوئے پوری فراخدلی اور ہمت سے کام لے کر ان تمام کاموں میں بھرپور تعاون فرمائیں کہ ہندوستان میں علوم دینیہ کے مراکز کی حفاظت کی اس سے بہتر کوئی سبیل اور اس سے زیادہ پائیدار کوئی صدقہ جاریہ نہیں۔

نوٹ: چیک، ڈرافٹ، منی آرڈر وغیرہ [illegible]

ناظم ندوۃ العلماء، پوسٹ بکس نمبر ۹۳، ندوہ، لکھنؤ

NAZIM NADWAT-UL-ULAMA
P. O. Box No. 93, NADWA LUCKNOW-7